صحابہ علیہم الرضوان کی ایمان افروز
حکایات
مکتبۃ المدینہ
شہید مسجد کھارادر کراچی فون: 2314045 203311

فہرست

آقا صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے۔

۳ ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس
نہایت جوش و دار فتگی سے داد شجاعت دی اور شروع سے اخیر تک ایسی استقامت کا مظاہر
کہ اس غزوہ کے ابطال خاص میں شمار ہوئے۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا پا
پلٹ گیا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تاب
گئے اور اپنے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حیرت انگیز ثبوت دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تع
عنہ سے روایت ہے کہ :

"میں نے دیکھا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا پا کر مشرق کی جانب سے ایک پرند
کی طرح فضا میں پرواز کرتا ہوا تیزی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ میں بھ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بہت ہی تیزی سے بھاگا اور کہا کہ الٰہی عزوجل خیر ہو۔ کیا دیکھتا ہوں ک
وہ شخص جو مجھ سے پہلے پہنچ چکا ہے، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح ہے اس موقع
ایک کافر کے وار سے خود کی کڑیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک میں دھنس گئی تھیں
ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر یہ کڑیاں اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچیں یہاں تک
کہ وہ باہر آگئیں لیکن اس کوشش میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کے دو دانت
ٹوٹ گئے۔" (طبقات ابن سعد)

دیو ہیکل مچھلی

بخاری میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد اللہ انصاری نے اس مہم کا حال اس
طرح بیان کیا ہے :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم ساحل کی طرف بھیجی اور اس پر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ بن الجراح کو امیر بنایا، ۳۰۰ آدمی تھے۔ ہم چلے کچھ راستہ طے ہوا تھا کہ زاد راہ ختم ہو گیا

صرف کھجور کی دو تھیلیاں بچیں، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ ہم کو تھوڑی تھوڑی کھجوریں دیتے تھے یہاں تک کہ صرف ایک ایک کھجور پر نوبت آگئی۔ بھوک کی سخت تکلیف ہوئی تو ہم نے درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھائے۔ ایک شخص نے تین اونٹ ذبح کرائے، پھر تین اونٹ ذبح کرائے۔ تیسرے دن بھی تین اونٹ ذبح کرائے پھر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو منع کر دیا۔ سمندر کے کنارے اثنائے قیام میں ایک دن ٹیلے کے برابر ایک بہت بڑی مچھلی نکلی اس کو عنبر کہتے ہیں۔ ہم نے نصف ماہ (یا ۱۸ دن) اسکو کھایا اور اس کا تیل ملا یہاں تک کہ ہم توانا ہو گئے۔ پھر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی دو پسلیاں کھڑی کرائیں اور ایک اونٹ پر کجاوہ رکھوا کر لشکر کے سب سے طویل شخص کو اس میں بٹھایا۔ وہ شخص اونٹ پر بیٹھے بیٹھے ان پسلیوں کے نیچے سے نکل گیا۔ جب ہم واپس مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رزق بھیج دیا اس کو کھانا چاہیے تھا، اگر تمہارے پاس ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ۔ ایک شخص (کچھ گوشت) لے آیا اور آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا۔"

اس روایت میں اونٹ ذبح کرانے والے جن صاحب کا ذکر ہے وہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سعد انصاری تھے جو بالطبع نہایت کشادہ دست اور فیاض تھے۔

دنیا سے بے رغبتی

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جبل کی خدمت میں چار سو دینار اور چار ہزار درہم بھیجے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حصے کی تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی چند درہم و دینار کے سوا جو انہوں نے اپنی اہلیہ کے کہنے پر گھریلو ضروریات کے لئے رکھ لئے تھے، تمام رقم مستحقین میں تقسیم کر دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو بے اختیار ان کی زبان

پر یہ الفاظ جاری ہو گئے

"الحمد للہ عزوجل کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کی نظروں میں سیم وزر کی کچھ حقیقت نہیں۔"

سوکھی روٹی کے ٹکڑے

بیت المقدس کے اثنائے قیام میں ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ازراہ خوش طبعی و بے تکلفی کہا۔ "بھئی اور لوگ تو میری دعوت کر چکے ہیں لیکن تم نے مجھے مدعو نہیں کیا۔ آج تم بھی میری دعوت کر دو نا!"

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس خیال سے خاموش تھا کہ شاید آپ کو میری دعوت پسند نہ آئے ورنہ میں اپنے غریب خانہ پر ہر وقت آپ کے لئے چشم براہ ہوں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی جائے قیام پر تشریف لے گئے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے لا کر رکھ دیئے اور عرض کی:

"امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری تو یہی خوراک ہے دونوں وقت روٹی کے یہ سوکھے ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھالیتا ہوں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور فرمایا "شام میں آکر سب ہی بدل گئے لیکن ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تم ہو کہ اپنی اسی وضع پر قائم ہو۔"

حیرت انگیز سادگی

شام کا ہمہ مقتدر والی اور سپہ سالار اعظم ہونے کے باوجود حضرت ابو عبیدہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے انکسار کی یہ کیفیت تھی کہ نہ کبھی امتیازی لباس پہنا اور نہ کبھی اونچی جگہ کو نشست گاہ بنایا۔ معمولی لباس میں سپاہیوں کے درمیان فرش خاک پر بیٹھ جاتے تھے۔ رومیوں کے سفیر آتے تھے تو دریافت کیئے بغیر وہ یہ نہیں جان سکتے تھے کہ مسلمانوں کا امیر کون ہے۔ غرض انہوں نے انکسار اور مساوات کی حیرت انگیز مثال قائم کر دی تھی۔

تیسرے مسلمان

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبوی ﷺ نے تقریباً تیس برس قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ سرور عالم ﷺ کی بعثت کے وقت حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عنفوان شباب تھا اور انہوں نے عمر کی صرف سترہ یا انیس منزلیں طے کی تھیں تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت سعید فطرت عطا کی تھی۔ جونہی ان کے کانوں میں دعوت توحید کی آواز پڑی انہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا اور "سَابِقُونَ الْاَوَّلُوْن" کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق اسلام لانے والے بالغ مردوں میں وہ تیسرے مسلمان تھے اور بعض روایات کے مطابق ان سے قبل چھ سات بزرگ سعادت اندوز اسلام ہو چکے تھے بہر صورت وہ ان چند نفوس قدسی میں سے ہیں جن کی دعوت حق کے ابتدائی سات دنوں کے اندر لوائے توحید تھامنے کا شرف حاصل ہوا۔

ماں نے بات چیت بند کر دی

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حمنہ کو اپنے آبائی مذہب سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا اس کو بیٹے کے قبول اسلام کا حال سن کر اس قدر رنج ہوا کہ کھانا پینا، بولنا چالنا سب ترک کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماں سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اپنی ماں کو آزردہ دیکھنا ان کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش تھی لیکن وہ اس آزمائش میں پورے اترے۔ ماں تین دن تک بھوکی پیاسی رہی، یہی اصرار تھا کہ یہ نیا دین ترک کر دو لیکن سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کا ایک ہی جواب تھا:

"ماں تم مجھے بے حد عزیز ہو لیکن تمہارے قالب میں خواہ ہزار جانیں ہوں ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے تب بھی اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔"

بارگاہِ خداوندی عزوجل میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان استقلال ایسی مقبول ہوئی کہ عامۃ المسلمین کے لیئے یہ فرمان الٰہی نافذ ہو گیا۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

ترجمہ: اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں تو میرا شریک ٹھرا اسے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا مان۔ (کنزالایمان) العنکبوت۔ آیت ۸

قبول اسلام کے بعد والدہ کی ناراضی کے علاوہ اور بھی کوئی ایسی سختی اور مصیبت نہ تھی جو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین کے ہاتھوں نہ جھیلی ہو۔ انہوں نے کفار سے گالیاں کھائیں، طعنے سے اور جسمانی اذیتیں برداشت کیں لیکن کیا مجال کہ ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش آئی ہو۔

اونٹ کی ہڈی

دعوت حق کے آغاز میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کفار کی شرانگیزی سے بچنے کے لئے مکہ کے قریبی پہاڑوں کی سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر خدائے واحد عزوجل کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہیں نفوس قدسی میں شامل تھے۔ ایک دن وہ چند دوسرے صحابہ علیہم الرضوان کے ساتھ ایک ویران گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ چند مشرکین ادھر آنکلے۔ وہ مسلمانوں پر پہلے تو آوازیں کسنے لگے اور پھر ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اٹھتی جوانی تھی، جوش آگیا، پاس ہی اونٹ کی ایک ہڈی پڑی تھی اسے اٹھا کر مشرکین پر پل پڑے۔ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا اور اس میں سے خون بہنے لگا۔ اب شریروں نے وہاں سے بھاگنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے

کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی وقاص پہلے شخص ہیں جنہوں نے حق کی حمایت میں خونریزی کی۔

سوکھے چمڑے کا ٹکڑا

ہجرت سے قبل حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا سب سے بڑھ کر تابناک باب وہ ہے جس میں وہ تین سال (۷ھ سے ۱۰ھ) تک سرور کائنات ﷺ کی رفاقت میں شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ شعب ابی طالب کی محصوری اگرچہ بنی ہاشم اور بنو مطلب سے مخصوص تھی لیکن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاشمی اور مطلبی نہ ہونے کے باوجود محض اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خاطر بنو ہاشم اور بنو مطلب کا ساتھ دیا اور ان کے ساتھ تین سال تک ہولناک مصائب برداشت کرتے رہے۔ اس زمانے میں بے کس محصورین بعض اوقات درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں ابال ابال کر اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو انہیں سوکھے ہوئے چمڑے کا ایک ٹکڑا کہیں سے مل گیا۔ انہوں نے اسے پانی سے دھویا، پھر آگ پر بھونا، کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستو کی طرح پی کر اپنے پیٹ کی آگ بجھائی۔

مدینے کو ہجرت

۱۱ ہجری بعد بعثت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کو اسلام کی طرف مائل کر دیا چنانچہ اس سال چھ سلیم الطبع خزرجی سعادت اندوز اسلام ہو کر مدینے واپس گئے۔ اگلے سال مدینہ کے بارہ آدمیوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قبول اسلام کا شرف حاصل کیا اس سے اگلے سال بہتر حق پرست مدینہ سے مکہ پہنچے اور رحمت عالم ﷺ کے دست حق پرست پر اس عہد کے ساتھ بیعت کی کہ آپ ﷺ مدینے تشریف لائیں تو ہم اپنی جانوں، ماؤں اور اولادوں کے ساتھ آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ یہ بیعت "بیعت عقبہ کبیرہ"

کہلاتی ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اکثر صحابہ کرام علیہم الرضوان ارض مکہ کو الوداع کہہ کر مدینے چلے گئے ان مہاجرین میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے نو عمر بھائی عمیر بھی شامل تھے۔ مدینے پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمیر اپنے بڑے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے۔ عتبہ نے جنگ بعاث سے قبل مکہ میں ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور قصاص کے خوف سے بھاگ کر مدینے میں پناہ لی تھی۔ عتبہ اگرچہ مشرک تھے لیکن انہوں نے نہایت خوش دلی سے اپنے دونوں بھائیوں کو اپنے ہاں ٹھہرالیا۔ بد قسمتی سے عتبہ کافی عرصہ تک کفر و شرک کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے لیکن ان کی اسلام دشمنی نے چھوٹے بھائیوں کو ذرہ برابر بھی متاثر نہ کیا اور شروع سے لیکر اخیر تک اسلام سے ان کی والہانہ شیفتگی برقرار رہی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت کے تھوڑے عرصے بعد سرور عالم علیہ السلام نے بھی مدینے کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا اور یہ قدیم شہر "مدینۃ النبی علیہ السلام" بن گیا۔

پتوں پر گزارہ

بعض مہمات میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود سرور عالم علیہ السلام کی معیت کا شرف بھی نصیب ہوا، یہ سخت تنگدستی کا دور تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ علیہ السلام کی معیت میں غزوہ کرتے تھے اور ہمارے پاس درخت کے پتوں کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی، یہاں تک کہ ہمارا فضلہ ایسا ہوتا کہ جیسا اونٹ یا بکری کا ہوتا ہے اس میں کوئی خلط نہیں ہوتی تھی۔ (یعنی مینگنیاں ہوتی تھیں)۔

ننھے کی دلیرانہ شہادت

غزوۂ بدر میں حضرت سعد کے نو عمر بھائی عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے رتبۂ شہادت پر فائز کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ لڑائی سے پہلے میں نے عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے میں نے اس سے پوچھا، عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا بات ہے؟ کہنے لگا، بھائی جان میری عمر کم ہے اس لئے ڈرتا ہوں کہ کہیں رسول اللہ ﷺ مجھے لڑائی میں حصہ لینے سے روک نہ دیں حالانکہ میری دلی تمنا ہے کہ میں راہِ حق میں لڑوں شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے۔......... عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ حضور ﷺ نے ان کی کم عمری کی وجہ سے واپس جانے کا حکم دیا۔ عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حضور ﷺ کو ان کے شوق اور رونے کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دے دی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑا ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں میں گرہیں لگاتا تھا کہ اونچی ہو جائے عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑائی میں مردانہ وار لڑے اور قریش کے نامور پہلوان عمرو بن عبدود کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمیر سے بے پناہ محبت تھی ان کی شہادت ان کے لئے صدمۂ جانکاہ سے کم نہ تھی لیکن وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ لڑائی میں مشرکین کو عبرتناک شکست ہوئی۔ ان کے ستر (۷۰) آدمی قتل ہوئے اور ستر (۷۰) کو مسلمانوں نے قیدی بنا لیا۔ ان میں سے تین آدمیوں (حارب بن وجرہ، سائل بن شلیخ اور فاکہ) کو تنہا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیدی بنایا۔

جنگ احد (۳ ہجری) میں جب ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی وقاص ان چند اصحاب میں تھے جو شروع سے اخیر تک رحمت عالم ﷺ کے پہرے پر رہے۔ وہ ایک ماہر قدر انداز تھے کفار بار بار

حضور ﷺ پر زغہ کرتے تھے اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تیروں سے ان کا منہ پھیر دیتے تھے صحیح بخاری میں ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ حضور ﷺ اپنے ترکش سے تیر نکال نکال کر انہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے:

يَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ

(اے سعد تیر چلا، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں نے سعد کے سوا کسی اور کے حق میں ایسے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نہیں سنے۔

علامہ ابن کثیر کا بیان ہے کہ غزوہ احد کے دن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار تیر چلائے تھے۔ اثنائے جنگ میں ایک مشرک ابو سعید بن ابی طلحہ (یا بروایت دیگر طلحہ بن ابی طلحہ) مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاک کر اس کے حلق میں ایسا تیر مارا کہ اس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل آئی اور وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا ایک مشرک نے بھی اپنے تند و تیز حملوں سے مسلمانوں پر آفت ڈھا رکھی تھی۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اس کو اپنے تیر کا نشانہ بناؤ اتفاق سے اس وقت ترکش میں کوئی تیر نہ بچا تھا تاہم حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھل کے بغیر ایک تیر اٹھا کر ایسی مہارت سے اس مشرک کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواس ہو کر پیچھے کی طرف گر گیا اور برہنہ ہو گیا۔ حضور ﷺ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماہرانہ قدر اندازی اور اس مشرک کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے۔ (بعض روایتوں کے مطابق یہ واقعہ غزوۂ احزاب میں پیش آیا)

انوکھی دعا

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ جنگ احد سے ایک دن پہلے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا مانگی:

"الٰہی کل جو دشمن میرے مقابلے میں آئے وہ بڑا بہادر اور غضب ناک ہو اور مجھے اتنی طاقت دے کہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں۔"

حضرت عبداللہ بن جحش نے آمین کہا پھر انہوں نے یوں دعا مانگی:

"الٰہی کل میرا مقابلہ ایسے دشمن سے ہو جو نہایت جنگجو اور غصہ ور ہو۔ مجھے اس کے ہاتھ سے شہادت نصیب ہو اور وہ میرے کان ناک کاٹ ڈالے۔ جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ اے عبداللہ یہ تیرے کان ناک کیوں کاٹے گئے تو میں کہوں کہ اے اللہ عزوجل تیرے لئے اور تیرے رسول [illegible] کے لئے۔"

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان کی دعا پر آمین کہی۔ دونوں کی دعائیں سچے دل سے نکلی تھیں۔ اس لئے فوراً در اجابت تک پہنچی۔ لڑائی میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے [illegible] نامی مشرک کو قتل کیا اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن اخنس ثقفی کے ہاتھ سے جام شہادت پیا۔ مشرکین نے ان کی لاش کا مثلہ کیا اور کان ناک ہونٹ کاٹ کر دھاگے میں پرو دیئے۔ لڑائی کے بعد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ان کی لاش پر ہوا تو بے اختیار ان کے منہ سے نکلا:

"خدا کی قسم عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔"

چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا

غزوۂ احد میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی عتبہ نے مشرکین کا ساتھ دیا اور بڑے جوش و خروش سے مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ ایک موقع پر عتبہ نے حضور ﷺ پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا۔ حضرت

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عتبہ کی یہ حرکت مدت العمر یاد رہی، فرمایا کرتے تھے "خدا کی قسم عتبہ سے زیادہ میں کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا۔"

ہاتھیوں کی خوفناک یلغار

دوسرے دن رستم بڑے جاہ و جلال کے ساتھ دریائے فرات سے پار اترا اور مسلمانوں کے سامنے صف آرائی کی۔ اس وقت دو لاکھ جنگجو اس کے جھنڈے تلے جمع تھے۔ دوسری طرف اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی لیکن مسلمانوں کے جوش جہاد کا یہ عالم تھا کہ صفوں سے نکلے پڑتے تھے بد قسمتی سے اس نازک موقع پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرض کی وجہ سے لڑائی میں بذات خود شریک ہونے سے معذور ہو گئے۔ یہ مرض کیا تھا؟ بعض نے لکھا ہے کہ وہ عرق النساء میں مبتلا تھے اور بعض کا بیان ہے کہ ان کی رانوں میں دنبل کے پھوڑے نکلے ہوئے تھے اس لئے گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے اور پیدل چلنا پھرنا بھی دشوار تھا اس معذوری کے باوجود انہوں نے ارادہ کر لیا کہ اپنی فوج کو خود لڑائیں گے۔ میدان جنگ کے قریب ہی زمانہ قدیم کا ایک محل تھا وہ اس کی دوسری منزل میں تکیہ کے سہارے اس طرح بیٹھ گئے کہ سارا میدان جنگ نظروں کے سامنے تھا۔ اب انہوں نے فوج کے ایک افسر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عرفطہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا: "خالد تم میری حالت دیکھ رہے ہو کہ بمشکل حرکت کر سکتا ہوں، دشمن سر پر آ پہنچا ہے اور لڑائی کو ٹالنا ممکن نہیں۔ میدان جنگ میں تم میری نیابت کرو گے وقتہ وقفہ کے بعد میں کاغذ کے پرزوں پر ہدایات لکھ کر تمہاری طرف بھیجتا ہوں گا انہی کے مطابق فوج کو لڑوانا۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے فوج کے علمبرداروں کو پیغام بھیجا کہ "میں بیماری کی وجہ سے لڑائی میں عملی حصہ نہیں لے سکتا۔ خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو میں نے اپنا نائب مقرر کیا ہے اس کے حکم کو میرا حکم سمجھو اور اس کی اطاعت کرو۔" حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم مجاہدین کو سنایا گیا تو سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔

لڑائی کے آغاز سے پہلے ایک طرف رستم اور دوسرے ایرانی امراء اپنے لشکر کا جذبہ قومی ابھار رہے تھے تو دوسری طرف عرب کے مشہور شعراء و خطباء تمام لشکر اسلام میں پھیل گئے تھے اور اپنی رجز خوانی سے مجاہدین میں ہیجان برپا کر دیا تھا ساتھ ہی قاریوں نے خوش الحانی سے سورۂ انفال کی تلاوت شروع کر دی تھی جس کی تاثیر نے دلوں کو گرما دیا تھا اور ہر مسلمان شوق شہادت سے بے تاب ہو گیا تھا۔

ایرانیوں نے سب سے پہلے اپنے جنگی ہاتھیوں کو مسلمانوں کی طرف دھکیلا۔ ہاتھیوں کی خوفناک یلغار کو قبیلہ بجیلہ کے جانبازوں نے روکا، بہت سے بجلی مجاہدین جانوں پر کھیل گئے لیکن یہ یلغار نہ رک سکی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کیفیت دیکھ کر بنو اسد کو حکم بھیجا کہ بنو بجیلہ کی مدد کے لئے پہنچو بنو اسد مردانہ وار ہاتھیوں کی طرف بڑھے لیکن وحشی ہاتھیوں نے انہیں بھی پیچھے دھکیل دیا۔ اب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو تمیم کو، جو نیزہ بازی اور قدر اندازی میں بے پناہ مہارت رکھتے تھے، پیغام بھیجا کہ اے بنی تمیم آج تمہارے کمال فن کا مظاہرہ ہے آگے بڑھ کر اپنے بھائیوں کی مدد کو پہنچو۔ بنو تمیم نے تکبیر کا نعرہ لگا کر اس جوش سے حملہ کیا کہ ہاتھیوں کے منہ پھیر دیئے اور ان کے سواروں کو اپنے نیزوں اور تیروں سے نیچے گرا دیا۔ اب دونوں فوجوں میں دست بدست اس گھمسان کی جنگ ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

چار (۴) فرزند قربان کرنے والی ماں

حضرت خنساء چار (۴) فرزندوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے قادسیہ آئی تھیں، جس وقت لڑائی کا تنور پوری طرح گرم ہوا انہوں نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ "میرے بچو جاؤ اور آخری دم تک راہ حق میں لڑو" ماں کا حکم سنتے ہی چاروں بھائی گھوڑوں کی باگیں اٹھائے رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں کود پڑے اور نہایت بے جگری سے لڑتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت خنساء نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا:

"خدا کا شکر ہے کہ میرے فرزندوں نے میدان جنگ
سے پیٹھ نہیں پھیری اور اللہ عزوجل نے ان کی شہادت کا شرف
مجھے بخشا۔ اس ذات رحیم سے امید ہے کہ وہ اپنی رحمت کے سائے
میں میرے بچوں کے ساتھ مجھے بھی جگہ دیگا۔"

اسی طرح اور بھی بہت سے مجاہدین نے شوق شہادت کی حیرت انگیز مثالیں پیش کیں رات کی تاریکی جب گہری ہو گئی تو دونوں لشکر زخموں سے چور چور ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ قادسیہ کی جنگ کا یہ پہلا دن یوم الارماث کہلاتا ہے اس دن پانچ اور چھ سو کے درمیان مسلمان شہید ہوئے اور ہزارہا ایرانی ہلاک ہوئے۔

مہیب اونٹ

دوسرے دن طبل جنگ پر چوٹ پڑی ہی تھی کہ حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمرو تمیمی شام سے ایک ہزار جانبازوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ انہیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جراح نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ اس کمک کے پہنچ جانے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی معرکہ کارزار گرم ہوا تو پہلے دن کی طرح ہاتھیوں نے پھر مسلمانوں پر قیامت ڈھادی۔ حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مصیبت کے تدارک کے لئے یہ تجویز سوچی کہ اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں ڈالکر انہیں بھی ہاتھیوں کی طرح مہیب بنادیا۔ ایرانیوں کے گھوڑے انہیں دیکھ کر بدکتے اور مسلمان ان کے سواروں کو اپنے نیزوں پر رکھ لیتے۔ رستم نے اب پیدل فوجوں کو سواروں کی مدد کے لئے آگے بڑھایا یہ فوجیں آندھی اور طوفان کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہوئیں۔ مسلمانوں نے بڑی ہمت سے اس طوفانی حملے کو روکا لیکن مشکل یہ تھی کہ مدائن سے ایرانی فوجوں کو برابر تازہ کمک پہنچ رہی تھی۔ عین اس وقت پر حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانچ ہزار جوانوں کی امدادی فوج کے ساتھ شام سے قادسیہ پہنچ گئے۔ اس تائید غیبی نے مسلمانوں کے حوصلے

دو چند کر دیے لیکن ایرانیوں کا ٹڈی دل کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔

قیدی کا کارنامہ

قبیلہ بنو ثقیف کے نامور بہادر ابو محجن شراب نوشی کے جرم میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقامت گاہ کے قریب دست وپابستہ ایک کوٹھڑی میں مقید تھے۔ وہ قید خانے کے سوراخوں سے لڑائی کا منظر دیکھ کر سخت بے قرار ہو رہے تھے اور جوش شجاعت میں اپنے ہونٹ بار بار دانتوں میں دباتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ سلمیٰ قریب ہی تھیں، ان سے التجا کی کہ اس وقت مجھے چھوڑ دو شہید ہو گیا تو بہتر ورنہ خود ہی آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عتاب کے ڈر سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر حضرت ابو محجن سخت شکستہ خاطر ہوئے اور جہاد سے اپنی محرومی پر نہایت درد انگیز اشعار پڑھنے لگے ۔ یہ اشعار سن کر سلمیٰ کا دل پسیج گیا اور انہوں نے ابو محجن کو نہ صرف رہا کر دیا بلکہ گھوڑا اور ہتھیار بھی دے دئے۔ ابو محجن منہ سر پر کپڑا لپیٹ کر گھوڑا دوڑاتے دشمن کی صفوں میں بجلی کی طرح گرے اور انہیں درہم برہم کر دیا ان کے جوش اور وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی میدان جنگ کے ایک کنارے پر ہوتے اور کبھی دوسرے پر۔ مسلمان حیران تھے کہ معلوم نہیں یہ نقاب پوش کون ہے ؟ شاید خدا نے مسلمانوں کی مدد کے لئے کوئی فرشتہ نازل کیا ہے خود حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو محجن کی بہادری دیکھ کر تعجب کر رہے تھے کہ اس بہادر کے لڑنے کا انداز تو ابو محجن کا ہے لیکن وہ تو اس وقت میری قید میں ہے۔ شام تک میدان رزم گرم رہا جب اندھیرا گہرا ہوا اور دونوں فوجیں اپنی اپنی قیام گاہوں کو لوٹیں تو حضرت ابو محجن نے بھی واپس آکر اپنی بیڑیاں خود ہی پہن لیں۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالا خانے سے نیچے اترے اور سلمیٰ کو جنگ کے حالات سناتے ہوئے فرمایا، " آج اللہ عزوجل نے میدان جنگ میں ایک عجیب شخص کو بھیج دیا جس نے منہ پر نقاب ڈال رکھا تھا اور ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے دشمنوں کا منہ پھیر دیا

اگر میں نے ابو محجن کو قید میں نہ ڈالا ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہی ہے۔"

یہ سن کر سلمیٰ نے سارا قصہ بلا کم و کاست عرض کر دیا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے حد متاثر ہوئے اور چشم پرآب ہو کر فرمایا۔"خدا کی قسم میں ایسے مجاہد کو قید میں نہیں رکھ سکتا۔" یہ فرما کر فوراً حضرت ابو محجن کو رہا کر دیا۔ وہ بھی مرد مجاہد تھے رہا ہوتے ہی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، "اے امیر حد کا خوف مجھے شراب نوشی سے باز نہ رکھ سکا لیکن آج میں خدا کے خوف سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

جنگ قادسیہ کا دوسرا دن "**یوم الاغواث**" کہلاتا ہے۔ اس دن دس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور دو ہزار مسلمانوں نے جام شہادت پیا۔

سفید اور چتکبرا ہاتھی

تیسرے دن علی الصباح دونوں فوجیں پھر ایک دوسرے سے گتھ گئیں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آج لڑائی کا فیصلہ کر کے رہیں گے۔ چنانچہ ان کی ہدایات کے مطابق مسلمان بڑھ بڑھ کر ایرانیوں پر نہایت تند و تیز حملے کر رہے تھے لیکن یوم الامارث کی طرح آج بھی ایرانیوں کے ہاتھیوں نے بڑی تباہی مچائی اور مسلمانوں کو فیصلہ کن ضرب لگانے سے باز رکھا۔ دو کوہ پیکر ہاتھی ایک سفید اور ایک چتکبرا سب ہاتھیوں کے سردار تھے اور بڑی آفت ڈھا رہے تھے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو تمیم کو پیغام بھیجا کہ تم سفید ہاتھی کو نرغے میں لے کر اس کی آنکھیں اور سونڈ بے کار کر دو۔ ایسا ہی پیغام انہوں نے چتکبرے ہاتھی کے بارے میں بنو اسد کے جاں بازوں حمال اور ربیل کو بھیجا۔ تمیمی سرفروش حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام ملنے پر سفید ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ یہ ہاتھی سدھایا ہوا تھا جو مجاہد اس کی طرف بڑھتا اسے اپنے سونڈ میں لپیٹ کر یا پاؤں کے نیچے مسل کر شہید کر دیتا۔ اس طرح کئی مجاہدوں نے یکے بعد دیگرے جام شہادت پیا۔ آخر قعقاع

اور عاصم علیھم الرضوان اس ہاتھی کی طرف بڑھے اور نہایت پھرتی سے اس کی سونڈ کاٹ ڈالی اور آنکھیں بیکار کر دیں۔ دوسری طرف چتکبرے ہاتھی کا بھی حمال اور ربیل کے ہاتھوں یہی حشر ہوا دونوں ہاتھی درد کی شدت سے چنگھاڑیں مارتے ہوئے پیچھے کی طرف بھاگے تو دوسرے ہاتھی بھی ان کے پیچھے ہو لئے اس طرح اللہ عزوجل نے ہاتھیوں کی مصیبت سے مسلمانوں کو نجات دی۔ اب شام ہو چکی تھی لیکن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑائی کا فیصلہ کرنے پر تلے ہوئے تھے انھوں نے اپنی فوج کو از سرِ نو مرتب کیا اور پھر اسے ایرانیوں پر فیصلہ کن حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جوشِ شجاعت سے سرشار مجاہدین نے ایرانیوں پر ایسا جان توڑ حملہ کیا کہ ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ حضرت قعقاع، عاصم، عمرو بن معدی کرب، قیس بن اشعث علیھم الرضوان اور ان کے جانباز ساتھیوں نے ایرانیوں کے قلبِ لشکر کو الٹ ڈالا اور رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ رستم کے زرہ پوش حفاظتی دستے نے شدید مزاحمت کی لیکن مسلمان سرفروشوں نے اس کے پرخچے اُڑا دیے۔ رستم شدید زخمی ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں چھلانگ لگا دی۔ ہلال بن علقمہ نامی ایک مجاہد نے اس کی ٹانگ پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا اور اس کا سر کاٹ لیا۔ پھر وہ رستم کے تخت پر چڑھ گئے اور زور سے پکارے "میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے"۔ اس آواز کے سنتے ہی ایرانیوں کے ہوش و حواس بالکل جاتے رہے اور وہ بھیڑ، بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے۔ جس رات کو یہ خونیں معرکہ سر ہوا اسے "لیلۃ الھریر" کہتے ہیں۔ اس سے پہلا یعنی جنگ کا تیسرا دن "یوم العماس" کے نام سے مشہور ہے۔ اس لڑائی میں تیس (۳۰) ہزار ایرانی ہلاک ہوئے اور انھیں ایسی عبرت ناک شکست ہوئی کہ تختِ کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں۔ ایرانیوں کا قومی پرچم "درفش کادیانی" بھی اسی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور مالِ غنیمت کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ مسلمان شہداء کی مجموعی تعداد آٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔

دریامیں گھوڑے دوڑا دیئے

قادسیہ کی عظیم الشان فتح کے بعد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بابل تک ایرانیوں کا تعاقب کیا اور آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ایران کا پایہ تخت مدائن یہاں سے قریب ہی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن کی طرف بڑھے۔ راستے میں ایرانیوں نے جگہ جگہ مزاحمت کی اور کئی چھوٹے چھوٹے معرکے ہوئے لیکن بلند حوصلہ مجاہدین یلغار کرتے ہوئے مدائن تک جا پہنچے اور اس کے مغربی حصے (بہرہ شیر) کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ دو (۲) ماہ تک جاری رہا۔ آخر سارے ایرانی خاص مدائن میں جو دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد تھا، سمٹ کر جمع ہو گئے۔ انہوں نے دریا کا پل توڑ دیا اور تمام کشتیاں دوسرے کنارے کی طرف لے گئے۔ اس وقت دریا میں خوفناک طغیانی آئی ہوئی تھی اور اس کو پار کرنا بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کیفیت دیکھی تو اللہ کا نام لے کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ دوسرے مجاہدین نے بھی ان کی پیروی کی گویا

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

دریائے دجلہ کے پھنکارتے ہوئے پانی پر مجاہدین رکاب سے رکاب ملائے اس طرح بڑھ رہے تھے گویا صحن چمن میں گلگشت کر رہے ہوں۔ ایرانی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ کچھ دیر تک ٹکٹکی باندھے مسلمانوں کو دیکھتے رہے اور پھر "دیواں آمدند۔ دیواں آمدند" (دیو آگئے دیو آگئے) کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یزدگرد اپنا حرم اور خزانے کا ایک حصہ پہلے ہی حلوان بھیج چکا تھا اب خود بھی مدائن کے در و دیوار پر حسرت کی نظر ڈالتا بھاگ نکلا۔ حضرت سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف عبرتناک سناٹا چھایا ہوا تھا اور کسریٰ کے پُرشکوہ محلات، دوسری

عظیم الشان عمارتیں اور سرسبز و شاداب باغات زبان حال سے دنیائے دوں کی بے ثباتی کا اعلان کر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر بے اختیار یہ آیات جاری ہو گئیں۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍۙ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍۙ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَۙ كَذٰلِكَ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (سورہ دخان)

ترجمہ: کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیت اور عمدہ مکانات اور نعمتیں جن میں فارغ البال تھے ہم نے یونہیں کیا اور ان کا وارث دوسری قوم کو کر دیا تو اُن پر آسمان اور زمین نہ روئے اور انھیں مہلت نہ دی گئی۔ (کنزالایمان)

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی دیانتداری

مدائن سے مسلمانوں کو کروڑوں دینار کا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اس میں ایسی ایسی نادر و نایاب چیزیں شامل تھیں کہ عقل انسانی انھیں دیکھ کر دنگ رہ جاتی تھی ان میں کچھ کے نام یہ ہیں:

نوشیرواں کا زرنگار تاج، شاہان سلف کے جڑاؤ خنجر، زرہیں، خود، اور تلواریں۔ خالص سونے کا ایک بلند و بالا گھوڑا جس کے سینے پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس پر سونے کا بنا ہوا ایک سوار تھا جس کے سر پر ہیروں کا تاج تھا۔ اسی طرح کی ایک طلائی اونٹنی اور اس کا طلائی سوار۔ ایوان کسریٰ کا طلائی فرش جس کا رقبہ ساٹھ مربع گز تھا اور جو بیش قیمت جواہرات سے آراستہ تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانوں نے اس قیمتی مال غنیمت کے جمع کرنے میں ایسی دیانت داری کا ثبوت دیا کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اگر کسی مجاہد کو ایک معمول سوئی ملی یا

بیش قیمت جواہر، اس نے بلا تامل اسے امیر کے پاس جمع کرادیا۔ یہ وہی عرب تھے جن پر اہل ایران بھوکے اور ننگے کی پھبتی کسا کرتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ روانہ کردیا۔ اور باقی سب مجاہدین میں تقسیم کردیا۔

تبلیغی قافلہ

شعبان ۶ ہجری میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سات سو آدمی دے کر دومۃ الجندل کے قریب آباد قبیلہ بنو کلب کی طرف روانہ فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دومۃ الجندل پہنچ کر بنو کلب کو اسلام کی دعوت دی پہلے روز ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسرے روز بھی دعوت دی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ تیسرے روز انہوں نے پھر ان کو حق کی طرف بلایا۔ اس مرتبہ ان کے نصرانی سردار اصبغ بن عمرو کلبی پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کا خاص اثر ہوا اور وہ نصرانیت کا قلاوہ گردن سے اتار کر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ ان کے ساتھ بنو کلب کے اور بہت سے لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن کیت کے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں آپ کو اصبغ کے اسلام لانے کی اطلاع دی۔ اور بنو کلب سے تعلقات قائم رکھنے کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ حضور ﷺ نے (جواباً) تحریر فرمایا کہ تم اصبغ کی بیٹی سے شادی کرلو۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں اصبغ کی بیٹی تماضر سے شادی کرلی اور ان کو رخصت کرا کے مدینے ساتھ لائے۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مشہور راوی حدیث) حضرت تماضر ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بعض اہل سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصبغ کی بیٹی سے شادی کا مشورہ اس لئے دیا تھا کہ

اس طرح بنو کلب سے مسلمانوں کے تعلقات استوار ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے قریش اور بنو کلب میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے۔

پچھتر (۷۵) زخم

۳ھ ہجری میں جنگ اُحد پیش آئی تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس لڑائی میں انہوں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی خاطر اپنی جان کی بازی لگادی اور سرفروشی اور فدویت کا ایسا محیر العقول مظاہرہ کیا کہ اس جنگ کے بطل خاص (ہیرو) متصور ہوئے۔ لڑائی کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے کفار کو شکست دے دی اور پھر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ بد قسمتی سے درہ عینین پر متعین تیر اندازوں میں سے بھی بیشتر نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اسی موقع پر کفار کے ایک گھڑ سوار دستے نے پہاڑ کا چکر کاٹ کر اس درّے کے راستے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور ان کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ مزید ستم یہ ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی اس سے بہت سے مسلمان بد دل ہو گئے۔ اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں کوہ استقامت بن کر کھڑے تھے اور کچھ مہاجرین اور انصار جو آپ کے قریب تھے، آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے آپ کو کفار کے حملوں سے بچا رہے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی جانبازوں میں تھے۔ کفار بار بار ذات رسالت مآب ﷺ پر نرغہ کرتے تھے لیکن شمعِ رسالت ﷺ کے یہ پروانے سر دھڑ کی بازی لگا کر ان کو پیچھے دھکیل دیتے تھے یا اسی کوشش میں اپنی جان قربان کر دیتے تھے۔ تین چار موقع ایسے آئے کہ کفار نے حضور ﷺ پر نرغہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، کوئی ہے جو ان کو روکے"؟ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر موقع پر آگے بڑھ کر عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں، لیکن کچھ دوسرے جانباز پہل کر کے اور اپنے آقا و مولا ﷺ کو مشرکین کے واروں سے بچاتے ہوئے خلعتِ شہادت سے

سرفراز ہو گئے۔ پھر ایک ایسا موقع آیا کہ دوسرے فدائیان رسول ﷺ اور حضور ﷺ کے درمیان کفار حائل ہو گئے اور صرف حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے قریب رہ گئے۔ حضور ﷺ کو شدید خطرے میں دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ پر پروانہ وار نثار ہونے کا عزم بالجزم کر لیا۔ جسم و جان سے ان کی تمام تر محبت ایمان کی محبت میں بدل گئی اور وہ دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے آنے والے تیروں، نیزوں، تلواروں اور پتھروں کو اپنے جسم پر روکنے لگے۔ وہ زخم پر زخم کھا رہے تھے لیکن حضور ﷺ کے سامنے سے ہٹنے کا تصور بھی ان کے دل میں نہیں آتا تھا۔ فی الحقیقت انہوں نے مہبط وحی کو بچانے کی خاطر اپنے پورے جسم کو قیمہ کرا لینے کا والہانہ فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ خون میں نہا چکے تھے اور بیسیوں زخموں نے ان کے جسم کو چھلنی کر دیا تھا لیکن سید المرسلین ﷺ پر جان قربان کرنے کی تڑپ نے انہیں ایسی قوت بخش دی تھی جو انہیں گرنے نہیں دیتی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت ان کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

نَحْنُ حُمَاةُ غَالِبٍ وَمَالِكِ　　　نَذُبُّ عَنْ رَسُوْلِنَا الْمُبَارَكِ

نَضْرِبُ عَنْهُ الْقَوْمَ فِی الْمَعَالِكِ　　　ضَرْبَ صِفَاحِ الْكُوْمِ فِی الْمَبَارِكِ

(ہم غالب آنے والے اور قدرت رکھنے والے محافظ ہیں۔ ہم اپنے رسول مبارک صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنوں کو ہنکاتے ہیں۔ معرکوں میں مشرکین کو مار کر آپ سے ہٹاتے ہیں جس طرح چھنے والا آدمی موٹی لونٹنی کو باندھنے کی جگہ پر مارتا ہے) (ابن عساکر)

اسی اثناء میں ایک مشرک نے حضور ﷺ کے قریب پہنچ کر تلوار کا وار کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تڑپ کر اسے اپنے ہاتھ پر لیا۔ ان کی انگلیاں شہید ہو گئیں (یا بروایت دیگر دو انگلیوں کی نسیں کٹ گئیں) اسی لمحے حضور ﷺ ایک طرف ہو گئے اور گزند سے محفوظ ہو گئے۔

حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے اختیار حس (یعنی آہ) کا لفظ نکل گیا۔ اس کے برعکس ابن سعد نے لکھا ہے کہ ان کی

زبان سے حسّ (یعنی خوب ہوا) کا لفظ نکلا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو تم کو ملائکہ اُٹھا لیتے اور سب لوگوں کے سامنے تمہیں آسمان پر لے جاتے۔

غرض حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیر تک، جذب و جنون اور وارفتگی کے عالم میں ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی خدمت کا فریضہ ادا کرتے رہے یہاں تک کہ کچھ دوسرے سرفروش بھی ان کی مدد کے لئے آپہنچے اور سب نے مل کر مشرکین کو پرے ہٹا دیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ زخموں سے چُور چُور ہو چکے تھے لیکن ان کی ہمت جوان تھی۔ جامع ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا چاہتے تھے لیکن جسم اقدس پر دوہری زرہ تھی (اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی بھی تھے) اس لئے چڑھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنے زخموں کو بھول کر) آگے بڑھے اور آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر سوار کرکے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اس موقع پر لسانِ رسالت ﷺ سے ارشاد ہوا، طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ لئے جنت واجب ہو گئی۔

حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کئے۔

بعض روایتوں میں ان کے زخموں کی تفصیل بھی دی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض ہاتھ پر چوبیس زخم آئے تھے اور یہ ہمیشہ کے لئے شل ہو گیا تھا۔ کل بدن پر تلوار، نیزہ اور تیر کے پچھتر زخم آئے تھے۔ تلوار کی ایک ضرب سے سر بھی شدید زخمی ہو گیا تھا۔

خطوط کے ذریعے تبلیغ کرنا سُنّت ہے

صلح حدیبیہ کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، تو ایک تبلیغی خط حضرت حارث بن رضی اللہ عنہ عمیر ازدی کے ہاتھ حاکم بصریٰ کے پاس بھیجا۔ یہ شخص ایک عرب خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور عیسائی رومیوں کی

طرف سے بصریٰ پر حکومت کر رہا تھا۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ موتہ کے مقام پر پہنچے، تو بلقاء کے رئیس شرجیل بن عمرو غسانی نے انہیں شہید کر ڈالا۔ سفیر کا قتل ایک نہایت قبیح اور غیر انسانی جرم تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتقام لینے کے لئے تین ہزار مجاہدین کا لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمایا۔ اس لشکر میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ امید نہ تھی کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائیں گے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جعفر رضی اللہ عنہ اس بات کو جانے دو، تم نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک بہتر کیا ہے"۔

سرورِ کون و مکان نے تھوڑی دور تک اس لشکر کی مشایعت فرمائی اور اس کو رخصت کرتے وقت فرمایا۔ "اگر لڑائی میں زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں، تو جعفر رضی اللہ عنہ امیر لشکر ہوں گے، وہ بھی شہید ہو جائیں، تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ انصاری قیادت سنبھالیں گے"۔

اس چھوٹے سے لشکر کی نقل و حرکت کی خبر حاکم بصریٰ کو ملی تو اس نے بڑے زور شور سے مقابلے کی تیاری کی اور اپنے حلیف قبائل کو ساتھ ملا کر ایک کثیر لشکر جمع کر لیا۔ اتفاق سے ہرقل شاہ روم بھی اسی علاقے میں خیمہ زن تھا۔ اس نے ہزاروں رومی جنگجو حاکم بصریٰ کی مدد کے لئے بھیج دیئے۔ اس طرح ایک لاکھ عیسائی عرب اور رومی جنگجو مسلمانوں کے مقابلے پر آ گئے۔ اپنی قلیل تعداد کے باوجود مسلمان اس مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے اور موتہ کے میدان میں حق و باطل کے درمیان گھمسان کا رن پڑا، مسلمان جان توڑ کر لڑے اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے، لیکن دشمن کا ٹڈی دل کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ عین اس وقت جب لڑائی پورے شباب پر تھی امیر لشکر حضرت زید رضی اللہ عنہ مردانہ وار لڑتے

ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ان کے گرتے ہی آگے بڑھ کر پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیا اور گھوڑے سے کود کر اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

یَا حَبَّذَ الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا طَیِّبَةً وَبَارِدٌ شَرَابُهَا

وَالرُّوْمُ رُوْمٌ قَدْ دَنَا عَذَابُهَا کَافِرَةٌ بَعِیْدَةٌ اَنْسَابُهَا

علیّ ان لاقیتھا ضرابھا

(ترجمہ) جنت کیا ہی اچھی ہے اور اس کی قربت کتنی پیاری ہے۔ اور اس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہے۔

رومی وہ لوگ ہیں جن کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے، یہ کافر ہیں اور ان کے نسب ناموں میں گڑبڑ ہے۔

مجھ پر فرض تھا کہ جب وہ میرے سامنے آئیں تو میں ان پر وار کر دوں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پر ہر طرف سے تیروں، تلواروں اور برچھیوں کی بارش ہو رہی تھی، لیکن وہ زخم پر زخم کھاتے آگے ہی آگے بڑھتے جاتے تھے۔ سارا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا لیکن اس حالت میں بھی جو دشمن اللہ عزوجل کے اس شیر کے سامنے آتا تھا۔ آناً فاناً خاک و خون پر لوٹ جاتا تھا۔ آخر دشمنوں نے نرغہ کر کے ان کا ایک ہاتھ شہید کر ڈالا۔ انہوں نے فوراً دوسرے ہاتھ سے جھنڈا پکڑ لیا۔ دوسرا بھی کٹ گیا، تو علم اسلام کو سینے سے چمٹا لیا۔ اسی حالت میں دشمن کا ایک نیزہ ان کے سینے کے پار ہو گیا اور وہ فرش خاک پر گر گئے۔ اس وقت ان کے جسم پر نوے سے زیادہ زخم تھے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا۔ وہ بھی شہید ہو گئے۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے علم ہاتھ میں لیا اور اپنی بے مثال شجاعت اور عسکری مہارت کی

بدولت اسلامی فوج کو بچالائے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں نے ان کی لاش کو دیکھا تو نوے سے زیادہ زخم تھے اور ان میں سے کوئی بھی زخم پیٹھ پر نہ تھا۔

غیب کی خبر

تمام ارباب سیر و مغازی نے جنگ موتہ کے سلسلے میں یہ روایت تواتر کے ساتھ نقل کی ہے کہ جس وقت موتہ کے میدان میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان خونریز لڑائی ہو رہی تھی، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت کے درمیان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رونق افروز تھے۔ یکایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نشان لیا زید رضی اللہ عنہ نے اور وہ شہید ہوئے، نشان لیا اب جعفر رضی اللہ عنہ نے، اور وہ شہید ہوئے، نشان لیا اب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اور وہ شہید ہوئے۔ نشان لیا اب اللہ عزوجل کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے"۔

گویا میدان جنگ کا نقشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے تھا، اسی واقعہ کی بناء پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ "سیف اللہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اپنے محبوب جاں نثاروں کی شہادت کی خبر لوگوں کو سنائی تو آپ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کے محاسن بیان فرمائے اور پھر فرمایا: "اے اللہ عزوجل زید رضی اللہ عنہ کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل جعفر رضی اللہ عنہ کو بخش دے، اے اللہ عزوجل عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بخش دے"۔

علامہ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے:

اِخْوَانِیْ وَ مُؤْنِسَائِیْ وَ مُحَدِّثَائِیْ

(یہ میرے بھائی، میرے مونس اور میرے جلیس تھے)

تعزیت کرنا سُنّت ہے

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اعلان کرنے کے بعد (یا بروایت دیگر اس سے پہلے) حضور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس آٹا گوندھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنا رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ اُنہوں نے ان کو حاضر خدمت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور ان کو پیار کیا، حضرت اسماء مضطرب ہو گئیں اور پوچھا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟"

حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں، وہ شہید ہو گئے ہیں۔

یہ سن کر حضرت سیدنا اسماء رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ خبر پاتے ہی محلے کی عورتیں ان کے گرد جمع ہو گئیں اور ان کی دلجوئی کرنے لگیں۔ اس کے بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات سے فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کے لئے کھانا پکاؤ۔ آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو وہ "واعماہ واعماہ" کہہ کر روتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک جعفر رضی اللہ عنہ جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیے"۔

جنّت میں اُڑنے والا

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں کو بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر رضی اللہ عنہ کو ان کے کٹے ہوئے بازوؤں کے عوض دو نئے بازو عطا کیے ہیں جن سے وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے پھرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے جعفر رضی اللہ عنہ کو بہشت میں فرشتوں کی طرح اُڑتے ہوئے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کی بناء پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا لقب طیار مشہور ہو گیا بعض روایتوں میں ان کا لقب طیار کے علاوہ "ذوالجناحین" بھی بتایا گیا ہے۔

لاش آسمان کی طرف بلند ہوئی

صفر ۴ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو براء کلابی کی استدعا پر ستر صحابہ علیہم الرضوان کی ایک جماعت نجد کی طرف روانہ فرمائی۔ اس جماعت کے اکثر اراکین اصحابِ صُفّہ علیہم الرضوان میں سے تھے اور قُراء (قرآن پڑھنے والے) کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی اس مقدس جماعت میں شامل تھے۔ جب یہ اصحاب علیہم الرضوان بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو بنو کلاب کے سردار عامر بن طفیل نے غداری کی اور قبائل رعل وذکوان کے مشرکین کو ساتھ لے کر ان پاکباز اصحاب علیہم الرضوان پر حملہ کر دیا جو ان کو ہدایت اور نجات کا راستہ بتانے آئے تھے۔

یہ تمام مردانِ حق حضرت عمرو بن امیہ الضمری کے سوا مشرکین کی تیغ جفا کا شکار ہو کر جامِ شہادت نوش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو ایک شخص جبار بن سلمیٰ کلابی نے شہید کیا۔ جب اس نے پوری قوت سے اپنا نیزہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی پشت پر مارا تو انہوں نے گرتے ہوئے بے ساختہ فرمایا "فُزْتُ وَاللّٰہ"

(خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا) اس وقت حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی اور نظروں سے غائب ہو گئی۔ جبار بن سلمٰی کو یہ نظارہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی اور کفر کی تاریکی اس کے نہاں خانہ باطن سے کافور ہو گئی۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ جبار بن سلمٰی اسی واقعہ سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

قاتل کا قبول اسلام

ایک روایت میں ہے کہ واقعہ شہادت کے بعد عامر بن طفیل نے حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تو اپنے تمام ساتھیوں کو پہچانتا ہے۔ انھوں نے کہا، ہاں سب کو جانتا ہوں۔ چنانچہ عامر بن طفیل حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر شہداء کی لاشوں کے درمیان پھرنے لگا۔ وہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے ہر ایک شہید کا نام و نسب دریافت کرتا جاتا تھا۔ جب سب لاشوں کا نام و نسب دریافت کر چکا تو حضرت عمرو سے پوچھا، ان میں کوئی کم ہے یا سب کی لاشیں موجود ہیں۔

حضرت عمرو نے فرمایا، ان میں عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں۔ عامر بن طفیل نے پوچھا: تم لوگوں میں وہ کیسا شخص تھا؟ حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ہم لوگوں میں سب سے افضل اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین صحابہ علیہم الرضوان میں سے تھے۔

یہ سن کر عامر بن طفیل نے جبار بن سلمٰی کلابی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس نے اس کو نیزے کی ضرب لگائی، جب نیزے کو اس کے جسم سے کھینچا تو ایک شخص مقتول کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گیا۔ اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔ حضرت عمرو بن اُمیہ [illegible] فوراً پکار اُٹھے ذٰلِكَ عَامِرُ بْنُ فُهَيْرَه (وہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ [illegible]

ہی تھے اور وہ ایسے ہی شخص تھے)۔

جبار بن سلمٰی کلابی قاتل عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا تو انہوں نے کہا، فُزْتُ وَاللّٰہِ میں یہ نہ سمجھ سکا کہ ایسا کہنے سے ان کی کیا مراد ہے۔ چنانچہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کلابی کے پاس گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنو کلاب کے عامل تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ "فُزْتُ واللہِ" کہنے سے مقتول کی کیا مراد تھی۔ ضحاک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی مراد یہ تھی، اس طرح شہادت پانے سے مجھے جنت مل گئی (اور میں اپنے مقصدِ زندگی میں کامیاب ہو گیا۔) پھر ضحاک رضی اللہ عنہ نے مجھے دعوتِ اسلام دی تو میں نے اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا، لیکن میرے قبولِ اسلام کا اصل سبب وہ ماجرا ہے جو میں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

شہادت کے وقت حضرتِ عامر بن فہیرہ کی عمر بہ اختلافِ روایت ۳۴ برس یا چالیس برس کی تھی۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

مکّار مُبلّغ کا انجام

اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت زید بن رضی اللہ عنہ خطاب نے شروع ہی سے فتنہ ارتداد کو فرو کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی اور مرتدین کے خلاف کئی معرکوں میں انہوں نے والہانہ جوش و خروش سے حصہ لیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب مسیلمہ کی زبردست جنگی تیاریوں اور ترکتازیوں کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ سے معرکہ آرا ہونے کا حکم دیا اور ان کی کمک کے لئے تازہ دم فوج روانہ کی۔ اس فوج میں انصار کے سردار حضرتِ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کے امیر حضرتِ زید بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ یمامہ کے قریب عقرباء کے مقام پر مسلمانوں اور مسیلمہ کے لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی

جبکہ مسلمانوں کی کل تعداد مل ملا کر دس ہزار کے قریب تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر اسلامی لشکر کے علمبردار حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب دونوں جانب جنگ کی صفیں آراستہ ہو لیں تو سب سے پہلے مسیلمہ کی جانب سے نہار الرجال بن عنفوہ میدان میں نکلا اور اس نے مسلمانوں کو للکار کر دعوتِ مبارزت دی۔ یہ ایک نہایت شریر النفس شخص تھا۔ موّرخین نے لکھا ہے کہ وہ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا گیا تھا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ حکیم اور مسائلِ دین کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب ضروری تعلیم حاصل کر چکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اہلِ یمامہ کی تعلیم پر مامور فرمایا۔ یہ بدبخت یمامہ پہنچ کر مسیلمہ کذّاب سے مل گیا اور نہایت بے حیائی سے مسیلمہ کے جھوٹے دعوے کی ان الفاظ میں شہادت دی کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ مسیلمہ میری نبوّت میں شریک ہے۔ چونکہ نہار سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں رہ چکا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہی مُعلّم اور مبلغ بن کر آیا تھا اس لئے ہزاروں لوگ اس کی باتوں سے گمراہ ہو گئے اور انہوں نے مسیلمہ کا دعوے تسلیم کر لیا۔ اب وہ میدان میں نکل کر مسلمانوں سے مبارزت طلب ہوا تو حضرتِ زید بن خطاب رضی اللہ عنہ جوشِ غضب سے بے قرار ہو گئے اور تیر کی طرح اس پر جھپٹے۔ نہار ایک آزمودہ کار جنگجو تھا اس نے نہایت ہوشیاری سے حضرتِ زید رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا لیکن ان کے جوشِ ایمانی کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ حضرتِ زید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بُری طرح مارا گیا۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسیلمہ کے قبیلے بنو حنیفہ نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے لیکن اسلامی لشکر کے سرداروں نے مُرتدین کے ریلے کو روکنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔

کٹے ہوئے پاؤں کا ہتھیار!

انصار کے سردار حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے والوں کو للکار کر کہا۔ "اے گروہ اہلِ اسلام تم نے اپنے نفوس کو بُری عادت سکھائی، اے اللہ عزوجل میں تیرے سامنے اُن (اہلِ یمامہ) کے معبود سے اور ان مسلمانوں کی اس حرکت سے جو وہ اس وقت کر رہے ہیں، اظہارِ نفرت کرتا ہوں۔ مسلمانو! دیکھو حملہ یوں کرتے ہیں"۔

یہ کہہ کر تلوار چلاتے ہوئے مردانہ وار دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ ایک مرتد کی ضرب سے ان کا پاؤں کٹ گیا۔ وہی کٹا ہوا پاؤں لے کر اس زور سے مارا کہ اپنے حریف کا کام تمام کر دیا اور خود بھی شہید ہو گئے۔ مسلمان ہٹتے ہٹتے جب اپنے خیموں سے بھی پیچھے ہٹ گئے تو حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حرارتِ ایمانی نے ان کو بے تاب کر دیا، مسلمانوں سے مخاطب ہو کر للکارے:

"مسلمانو! خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے؟ اے لوگو! مصیبتیں برداشت کرو، ڈھالیں تھام لو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ ہاں ہاں قدم بڑھاؤ۔ اے گروہ اہلِ اسلام تم اللہ کی جمعیت ہو! اور تمہارے دشمن شیطانی گروہ ہیں۔ عزّت اللہ عزوجل، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ عزوجل کی جماعت کے لئے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو۔ جو میں کرتا ہوں وہی تم بھی کرو"۔

اس کے بعد یہ کہتے ہوئے کہ "الٰہی میں اپنے ساتھیوں کی پسپائی پر تیرے حضور معذرت خواہ ہوں" شمشیر بکف، مرتدین پر حملہ کیا اور ان کی صفوں کو درہم برہم کرتے دور تک چلے گئے۔ بالآخر مرتدین نے نرغہ کر کے ان پر تلواروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا۔ اس طرح ہو عدی کے یہ شیر اور حق کے جانباز سپاہی جامِ شہادت نوش کر گئے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے سرفروشوں نے مرتدین کو روکنے کی کوشش میں اپنی جانیں

قربان کر دیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو نئے انداز سے مرتب کیا اور پھر مرتدین پر اس زور کا حملہ کیا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ اسی اثناء میں مسیلمہ بھی حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ اس سے مرتدین کے حوصلے بالکل پست ہو گئے اور وہ اپنے دس ہزار مقتولین میدانِ جنگ میں چھوڑ کر تتر بتر ہو گئے۔ جنگِ یمامہ میں مسلمانوں کی فتح سے فتنہء ارتداد کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا۔ اس فتنہء عظیم کے استیصال کے لئے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے جانبازوں نے جس ہمت شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کیا وہ بلاشبہ تاریخِ اسلام کا ایک تابناک باب ہے۔

جس طرح چاہو ستاؤ!

حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ یسار ازدی قریش کے خاندان عبددار کے غلام تھے بے کس اور بے یار و مددگار ہونے کے باوجود ان کے سینے میں شیر کا دل تھا۔ غریبوں کے والی اور بے کسوں کے مولیٰ ﷺ نے جب ظلمت کدہ عرب میں شمعِ توحید روشن کی تو ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ بے خوف و خطر آگے بڑھے اور اس شمع کے پروانے بن گئے۔ ان کا آقا امیہ بن خلف اپنے غلام کی اس جرات رندانہ پر شعلہ جوالہ بن گیا اور اس نے بے کس ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ پر بے پناہ ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ ظالم خود بھی ان کو نت نئی سزا کا ہدف بناتا تھا اور اپنے اہلِ خاندان کو بھی کھلی چھٹی دے دی تھی کہ جب جی چاہے اس مظلوم کو اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنائیں۔ یہ ظالم تپتی ہوئی ریت پر دوپہر کے وقت حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کو منہ کے بل لٹا دیتے اور پیٹھ پر ایک وزنی پتھر رکھ دیتے۔ وہ مردانہ وار اس سزا کا مقابلہ کرتے حتیٰ کہ ہولناک گرمی اور ناقابلِ برداشت اذیت سے بے ہوش ہو جاتے۔ اتنی تکلیف کے باوجود کیا مجال کہ ان کی زبان شرک سے آلودہ ہو۔

زبان باہر آگئی

ایک دن شقی القلب اُمیہ نے حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کے دونوں پاؤں میں رسی باندھی اور انہیں بُری طرح گھسیٹتا ہوا باہر لے گیا۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا اور سورج آگ برسا رہا تھا۔ اُمیہ نے ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کو تپتی ہوئی ریت پر ڈال دیا۔ اُمیہ کا بیٹا صفوان بھی باپ کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچا اور حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا۔ کیا میرا باپ تیرا رب نہیں ہے؟

شمع توحید کے پروانے ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا۔

"ہرگز نہیں، میرا رب اللہ تعالیٰ ہے جو سب کا خالق و مالک ہے اور جو سب کو روزی دیتا ہے"۔

صفوان کو اس جواب پر سخت طیش آیا اور اس نے حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کا گلا اس زور سے دبایا کہ ان کی زبان باہر نکل پڑی اور وہ بالکل بے حس و حرکت ہو گئے۔ صفوان اور اُمیہ نے سمجھا کہ ختم ہو گئے[1] لیکن ابھی ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ حسنِ اتفاق سے اس وقت دردمندِ بیکساں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اِدھر سے گزرے۔ انھوں نے حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کی دردناک بلاکشی کا منظر دیکھا تو دل بھر آیا اور اسی وقت حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کر دیا۔ لیکن حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ آزاد ہونے کے باوجود مشرکین مکہ کے جور و تعدی سے محفوظ نہ تھے۔ چنانچہ حبشہ کی دوسری ہجرت (۶ھ بعد بعثت) میں وہ بھی بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبش چلے گئے۔ راہ حق میں مصیبتیں جھیلتے جھیلتے صحت بگڑ گئی تھی اور قوائے بدنی ضعیف ہو گئے تھے۔ غزوہ بدر سے کچھ عرصہ پہلے پیک اجل کو لبیک کہا۔ حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ ان ثابت قدم ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے سخت نامساعد حالات کے باوجود بت پرستوں کے غول میں برملا خدا کا نام لیا۔ بلاکشانِ اسلام میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔

---

[1] حاشیہ صفحہ ۱۳۳ پر دیکھیں

تانبے کی گائے

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب شام میں داخل ہوا تو رومیوں میں مسلمان دشمنی کا جنون اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ جنگی قیدیوں کو بھی نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالتے تھے۔ عرب مورخین نے لکھا ہے کہ رومیوں نے تانبے کی ایک بہت بڑی گائے بنا رکھی تھی۔ اس کے پیٹ میں روغن زیتون ڈال کر نیچے آگ جلاتے رہتے تھے۔ اگر مسلمان قیدی نصرانیت قبول کر لیتے تھے تو ان کو چھوڑ دیتے اور اگر اپنا دین ترک کرنے سے انکار کرتے تو انہیں کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیتے۔

کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا!

ایک دفعہ شام کے ایک معرکے میں اسی (۸۰) اکاسی (۸۱) مجاہدین، رومیوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ ان مسلمان قیدیوں میں ایک قوی الجثہ صاحبِ رسول ﷺ بھی تھے۔ ان کی پیشانی نور سعادت سے درخشاں تھی اور چہرے پر عجیب قسم کا جلال تھا۔ شامی لشکر میں خود شاہ روم موجود تھا۔ رومی ان صاحب کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے ان کو نصرانی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ اپنا انجام اچھی طرح سوچ لو اگر تم اپنے انکار پر قائم رہے تو تمہیں کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جائے گا۔ ان صاحبِ رسول ﷺ نے بے دھڑک جواب دیا کہ خواہ کچھ بھی کرو میں اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ اب رومی ان کو خوفزدہ کرنے کے لئے ایک اور مسلمان قیدی کو بادشاہ کے سامنے لائے۔ اس نے اس قیدی کو بھی اسلام ترک کرنے کے لئے کہا لیکن اس بندہ حق نے بھی صاف انکار کر دیا۔ اس پر رومی ظالموں نے اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا وہ آناً فاناً جل بھن کر کباب ہو گیا۔ وہ صاحبِ رسول ﷺ اپنے مظلوم ساتھی کا انجام دیکھ کر رونے

لگے۔ رومیوں نے کہا، اب موت سے ڈر کر روتے کیوں ہو، ابھی وقت ہے نصرانیت قبول کر لو تو ہم تمہیں رہا کر دیں گے۔

رومیوں کی بات سن کر ان صاحبِ رسول ﷺ کی آنکھوں میں ایک نورانی چمک پیدا ہوئی اور انہوں نے بڑے پُر جلال لہجے میں فرمایا: "میں موت سے ڈر کر نہیں روتا بلکہ اس بات پر روتا ہوں کہ اللہ عزوجل کی راہ میں قربان کرنے کے لئے میرے پاس صرف ایک جان ہے کاش ایک جان کے بجائے میرے ہر بال کی جگہ ایک ایک جان ہوتی اور میں ان سب جانوں کو راہِ حق میں نثار کر دیتا"۔ رومی ان کی قوتِ ایمانی دیکھ کر حیران رہ گئے اور ایسے پختہ ایمان والے شخص کو اپنے دین میں داخل کرنے کے لئے اور بے تاب ہو گئے۔

انہوں نے ان صاحبِ رسول ﷺ سے کہا کہ اگر ہمارے بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ دو تو ہم تمہیں ابھی رہا کر دیں گے۔

انہوں نے صلیب پرست بادشاہ کی پیشانی چومنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ اب رومیوں نے انہیں مال و دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیا، لیکن انہوں نے ہر ترغیب کو ٹھکرا دیا۔ آخر قیصر روم نے کہا کہ میری پیشانی چوم لو تو تمام مسلمان قیدی چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کی خاطر وہ صاحبِ رسول ﷺ اب فوراً آگے بڑھے اور بادشاہ کی پیشانی کو چوم لیا۔ اسطرح اسی (۸۰) مسلمانوں کی قیمتی جانیں بچ گئیں۔

یہ صاحبِ رسول ﷺ جب مدینہ منورہ آئے اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے فرطِ مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی اور دوسرے مسلمانوں سے بھی فرمایا کہ وہ ان کے سر کو بوسہ دیں۔

عزم و استقلال کے یہ پہاڑ جن کے اخلاص و ایثار کو خلیفہ عرب و عجم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی خراجِ تحسین پیش کیا، حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سہمی تھے۔

والد آگ میں دھکیل رہا ہے!

بعثتِ نبوی ﷺ کے ابتدائی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن مکہ کے ایک جوانِ رعنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت پو پھٹ رہی تھی اور اس نوجوان کے چہرے پر اضطراب کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نور کے تڑکے اس نوجوان کو ایسی حالت میں دیکھ کر کچھ حیران سے ہوئے کیونکہ وہ کسی معمولی گھرانے کا فرد نہیں تھا بلکہ بنو عبد شمس کے اس نامور سردار کا فرزند تھا جسے اہل مکہ نے "ذوالتاج" (تاج والے) کا لقب دے رکھا تھا اور جس کی دستار کی یہ شان تھی کہ کوئی دوسرا اس رنگ کی دستار اپنے سر پر نہیں رکھ سکتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: "کیوں بھئی آج صبح ہی صبح کیسے آنا ہوا؟"

نوجوان نے نہایت دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "اے ابوبکر رضی اللہ عنہ، رات کو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔ اسی شش و پنج میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ اس خواب کے بارے میں مجھے کچھ بتائیں، مکہ میں مجھے اور کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو تعبیر رویاء میں آپ جیسی مہارت رکھتا ہو"۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بھتیجے تم نے اپنا خواب تو بیان ہی نہیں کیا ذرا بتاؤ تو تم نے کیا دیکھا"؟

نوجوان نے کہا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک غار کے دہانے پر کھڑا ہوں۔ جس میں آگ بھڑک رہی ہے۔ میرے والد پوری قوت سے مجھے اس غار میں دھکیل رہے ہیں لیکن محمد بن عبداللہ ﷺ نے میرا گریبان مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور مجھے اس غار میں گرنے سے بچا رہے ہیں۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ رات کا باقی حصہ میں نے سخت اضطراب میں کاٹا اور صبح ہوتے ہی آپ کے پاس چلا آیا"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نوجوان کی بات ختم ہوتے ہی فرمایا "برادرزادے میرا مشورہ یہ ہے کہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں، تم فوراً اس کو قبول کر لو۔ تمہارے خواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے تم اس آتشیں غار میں گرنے سے بچ جاؤ گے البتہ تمہارے والد کی قسمت میں یہ سعادت نہیں ہے، وہ ضرور اس غار میں گریں گے"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پُر خلوص مشورہ نوجوان کے دل میں اُتر گیا وہ وہاں سے اُٹھ کر سیدھا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "اے ابن عبد المطلب آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں"؟

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "میری دعوت یہ ہے کہ اللہ عزوجل ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے صرف اس کی پرستش کرو اور مجھ کو اس کا رسول ﷺ مانو۔ ان پتھر کے بتوں کی پوجا چھوڑ دو جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ ان کو تو اس بات کی بھی خبر نہیں ہے کہ کون ان کی پرستش کرتا ہے اور کون نہیں کرتا"۔ حضور ﷺ کے ارشادات سن کر نوجوان کا چہرہ چمک اٹھا اور اس کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آگئے۔ "اے اللہ عزوجل کے رسول ﷺ، میں خدائے واحد اور آپ کی رسالت پر صدقِ دل سے ایمان لاتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ مجھے راہِ حق میں ثابت قدم پائیں گے"۔

ایک متمول گھرانے کے یہ نوجوان جنہوں نے ہر قسم کا عیش و آرام میسر ہونے کے باوجود قبولِ حق پر پُر خطر راستہ اختیار کیا اور سخت نامساعد حالت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ اقدس تھاما، حضرت خالد بن سعید اُموی رضی اللہ عنہ تھے۔

مارتے مارتے لکڑی توڑ دی

جب ابواُحیحہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا علم ہوا تو وہ سخت برا فروختہ ہوا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ باپ کے قہر و غضب سے بچنے کے لئے کہیں چھپ گئے ابواُحیحہ نے اپنے دوسرے بیٹوں کو ان کی تلاش کے لئے بھیجا۔ وہ انہیں پکڑ کر باپ کے پاس لے گئے۔ ابواُحیحہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو سخت سست کہنے کے بعد اب بیدردی سے پیٹا۔ اس

کے ہاتھ کی لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ جب مارتے مارتے تھک گیا تو کہا۔ ''محمد ﷺ کے دین کو چھوڑ دو ورنہ تمہاری خیر نہیں''۔ لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ دل و جان سے اسلام کے شیدائی بن چکے تھے، بولے: ''ہرگز نہیں ہرگز نہیں خواہ میری جان بھی چلی جائے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامنِ اقدس ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا''۔ ابو اُحیحہ نے بہت ڈرایا دھمکایا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اس پر باپ نے انہیں پھر مارا اور گالیاں دیں۔ اس کے بعد کہا خالد رضی اللہ عنہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ محمد ﷺ نے ساری قوم سے الگ راستہ اختیار کر لیا ہے وہ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے تجھے شرم نہیں آتی کہ ان باتوں میں اس کا ساتھ دیتا ہے''۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بے دھڑک جواب دیا: ''خدا کی قسم محمد ﷺ جو کہتے ہیں، میں ہر حالت میں ان کی پیروی کروں گا''۔ ابو اُحیحہ نے تنگ آکر کہا: ''میری آنکھوں سے دور ہو جا۔ میرے گھر میں تجھے کھانا نہیں ملے گا''۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ''آپ میرا رزق بند کر دیں گے تو اللہ عزوجل مجھے رزق دے گا''۔

پھر وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ہی کے ساتھ رہنے لگے۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ ایک روز وہ مکہ کے نواح میں ایک سنسان جگہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو اُحیحہ کو اس کی خبر پہنچ گئی۔ اس نے بُلا کر ان کو ایک بار پھر ورغلانے کی کوشش کی اور اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ آنے کی ترغیب دی۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں مرتے دم تک اسلام ترک نہیں کروں گا۔

یہ جواب سن کر ابو اُحیحہ نے ان کے سر پر لکڑی مارنی شروع کی یہاں تک کہ لکڑی ٹوٹ گئی۔ پھر اس نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قید کر دیا اور ان کا کھانا پینا بند کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ تین دن تک بھوکے پیاسے مکہ کی ہولناک گرمی میں قید تنہائی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ چوتھے دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور نواح مکہ میں کہیں چھپ گئے۔

تیرہ سال تک غریبُ الوطنی

کچھ عرصہ بعد (۶ بعد بعثت میں) جب بلا کشانِ اسلام کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکہ واپس آئے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر اس قافلہ کے ہمراہ حبشہ چلے گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا نام اہل سیر نے اُمَینہ لکھا ہے اور بعض نے ھُمَینہ۔ ان کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا اور وہ بھی بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے میں سعادت اندوز اسلام ہو گئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی تقریباً تیرہ برس تک حبشہ میں غریبُ الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ وہیں ان کے صاحبزادے سعید اور صاحبزادی اُمِ خالد پیدا ہوئیں بعد میں ان دونوں کو بھی شرف صحابیت حاصل ہوا۔

شہید دولھے کا انتقام

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ شام جا کر ایک عام سپاہی کی طرح حضرت ابو عُبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور دینِ اسلام کی حمایت و سربلندی کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لی۔ انہوں نے رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں جانبازانہ حصہ لیا۔ اس سلسلہ میں مورخین نے دمشق اور فحل کے معرکوں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ ان لڑائیوں میں وہ اس جوش اور وارفتگی سے لڑے کہ اپنے بیگانے سبھی عش عش کر اٹھے۔ اسی زمانے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کی بیوہ حضرت اُم حکیم سے نکاح کر لیا۔ معرکہ فحل کے بعد اسلامی لشکر "مرج صفر" پہنچا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خواہش کی کہ اسی مقام پر رسم عروسی ادا ہو جائے۔ اُم حکیم نے کہا کہ دشمن سر پر کھڑا ہے کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ اس سے نبٹ کر اطمینان سے یہ رسم ادا کریں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: "مجھے اس معرکے میں اپنی شہادت کا یقین ہے"۔ اُم حکیم خاموش ہو گئیں۔ ایک پل کے پاس جو اب "قنطرہ ام حکیم" کہلاتا ہے، رسم

عروسہ ادا ہوئی۔ صبح کو حضرتِ خالد رضی اللہ عنہ نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا۔ ابھی لوگ کھانے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومیوں نے حملہ کر دیا۔ ان کا ایک قوی ہیکل جنگجو سب سے آگے آگے مسلمانوں کو مقابلے کے لئے للکار رہا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ تیر کی طرح جھپٹ کر اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور نہایت بہادری سے لڑ کر اس کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت اُم حکیم شوہر کی شہادت کا منظر دیکھ رہی تھیں اسی وقت اپنے خیمے کی چوب اُکھاڑ کر رومیوں پر جھپٹ پڑیں اور سات آدمیوں کو خاک و خون میں سُلا کر اپنے شوہر کا انتقام لے لیا۔

اطاعتِ امیر میں کوتاہی کا نُقصان

علامہ ابنِ سعد کاتب الواقدی کا بیان ہے کہ حضرت وہاب رضی اللہ عنہ بن قابوس اپنے بھتیجے حارث بن عقبہ رضی اللہ عنہ بن قابوس کے ساتھ بکریاں لے کر خاص اس دن مدینہ منورہ آئے۔ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثاروں کے ہمراہ غزوہ اُحد کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ خداوند علیم و خبیر ہی جانتا ہے کہ وہ دونوں کس غرض کے لئے مدینہ منورہ آئے تھے، بکریاں فروخت کرنے یا اسلام کی سعادت کے حصول کے لئے۔ مدینہ پہنچ کر انھوں نے مردوں کو نہ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ اوس اور خزرج کے محلوں میں عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی شخص نظر نہ آتا تھا۔ ان سے پوچھا، یہ کیا ماجرا ہے کہ آج مدینہ مردوں سے خالی نظر آتا ہے؟ جواب ملا کہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مشرکین مکہ کے مقابلہ کے لئے جبل اُحد کی طرف گئے ہیں۔ یہ سن کر دونوں چچا بھتیجے اسی وقت میدانِ اُحد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی اور مسلمان مشرکین کو برابر پیچھے دھکیل رہے تھے۔ حضرت وہاب رضی اللہ عنہ بھی تلوار کھینچ کر مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ شوقِ شہادت

سے سرشار مسلمانوں نے اپنے پُرجوش حملوں سے جلد ہی مشرکین کو بھاگنے پر مجبور کردیا۔ میدان صاف ہو گیا تو بیشتر مسلمانوں نے مالِ غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔ لڑائی کا آغاز ہونے سے پہلے حضور ﷺ نے کوہِ اُحد کے درّہ عینین پر حضرت عبداللہ بن جبیر انصاری کی سرکردگی میں پچاس تیر انداز مقرر کر دیے تھے تاکہ دشمن اس درّہ کے راستے پشت کی جانب سے اچانک مسلمانوں پر نہ آپڑے۔ ان تیر اندازوں کو حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے (ہم غالب ہوں یا مغلوب) تم اس درّہ کو نہ چھوڑنا۔ جب لڑائی میں مسلمان غالب آگئے تو بدقسمتی سے ان میں سے اکثر تیر اندازوں کو حضور ﷺ کا حکم یاد نہ رہا اور وہ درّے کو چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے۔ صرف حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سات یا دس تیر اندازوں کے ساتھ درّے پر موجود رہ گئے۔ عین اس وقت خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابو جہل (جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے) اپنے رسالے (گھڑ سوار دستے) کے ساتھ درّے میں آگھسے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر نے اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ جم کر مقابلہ کیا لیکن مشرکین کی کثیر تعداد کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور راہ حق کے یہ سبھی جانباز ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ مشرکین نے اب درّے سے نکل کر مسلمانوں کی بڑی جمعیت پر ہلہ بول دیا۔

جاؤ! جنّت تمہاری منتظر ہے

لڑائی کے پہلے دور میں مشرکین کو پسپا کر کے مسلمان پہلے ہی اپنی صف بندی توڑ چکے تھے۔ درّے کے راستے قریش مکہ کے اچانک طوفانی حملے نے انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا اور وہ مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے لگے۔ اسی دوران میں مشرکین کا ایک جتھا مسلمانوں کے اس گروہ کی جانب بڑھا جس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اس غول کو کون روکے گا؟" حضرت وہب رضی اللہ عنہ بن قابوس قریب ہی تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر عرض کیا

"یارسول اللہ ﷺ اس کام کے لئے میں حاضر ہوں"۔ یہ کہہ کر مشرکین پر اس شدت سے تیر باری کی کہ ان کا منہ پھر گیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اتنے میں مشرکوں کے ایک اور جتھے نے ادھر کا رُخ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس سے کون نبٹے گا؟ حضرت وہب رضی اللہ عنہ پھر آگے بڑھے اور عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ میں ان سے نپٹوں گا"۔ یہ کہہ کر تلوار لہراتے ہوئے اس جوش کے ساتھ اس جتھے پر حملہ کیا کہ اس کے دانت کھٹے ہو گئے اور وہ بھی پیچھے ہٹ گیا۔ اس سے فارغ ہوئے تھے کہ کفار کا ایک اور پُر جوش گروہ اس طرف یلغار کرتا نظر آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس گروہ سے کون نبرد آزما ہوگا؟ اب کی بار بھی حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، جاؤ جنت تمہاری منتظر ہے۔ یہ بشارت سُن کر فرطِ مسرت سے حضرت وہب رضی اللہ عنہ کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ یہ کہتے ہوئے کہ کسی کو نہ چھوڑوں گا اور نہ خود بچنے کی کوشش کروں گا۔ تلوار کھینچ کر مشرکین کے لشکر میں گھس گئے اور اس جوش اور وارفتگی سے لڑے کہ جانبازی اور سرفروشی کا حق ادا کر دیا۔ لڑتے مارتے گروہ کفار کی دوسری طرف نکل گئے۔ جب سامنے کوئی شخص نہ رہا تو پھر پلٹے اور دوبارہ مشرکوں کے جم غفیر میں گھس گئے۔ حضور ﷺ ان کی معرکہ آرائی کو بنظر تحسین دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ (الٰہی اس پر رحم کر)۔

حضرت وہب دیر تک اسی طرح داد شجاعت دیتے رہے۔ آخر مشرکین نے انھیں نرغے میں لے لیا اور ہر طرف سے تلواروں اور نیزوں کا مینہ برسا دیا۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ برابر مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے لیکن انسانی طاقت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ آخر بیسیوں زخم کھا کر زمین پر گر گئے اور ان کی روح مطہر عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ یوں تو ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو زخمی نہ ہوا ہو لیکن بیس زخم ایسے شدید تھے کہ ان میں سے ہر ایک کسی انسان کی موت کے لئے کافی تھا۔ اتنے کاری زخموں کے باوجود ان کا آخر دم تک جم کر لڑنا تحیّر خیز تھا۔ فی الحقیقت یہ ان کا جوش ایمان تھا جس نے ان کی نس نس میں شجاعت،

حوصلے اور استقامت کی بجلیاں بھر دی تھیں۔ چونکہ انھوں نے مشرکین کو سخت زچ کیا تھا اور ان کے بہت سے آدمی ہلاک یا زخمی کئے تھے اس لئے انھوں نے اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالی کہ شہید راہ حق وہب رضی اللہ عنہ کی لاش کا بری طرح مثلہ کیا (ناک، کان، ہونٹ کاٹ ڈالے اور جسم کو جگہ جگہ سے پھاڑ ڈالا) یہ ایسا دلدوز منظر تھا کہ کسی کو دیکھنے کی تاب نہ تھی۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ کے نوجوان بھتیجے حارث بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے شفیق چچا کی نعش کا یہ حال دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور تلوار کھینچ کر مشرکین پر جا پڑے، دیر تک حضرت وہب رضی اللہ عنہ کی طرح بے جگری سے لڑتے رہے آخر مشرکوں نے انھیں بھی گھیر کر شہید کر ڈالا۔ اس طرح چچا بھتیجے دونوں نے بکریاں، انسانوں کے ہاتھ فروخت کرنے کی بجائے اپنی جانیں راہ حق میں فروخت کر ڈالیں۔

رنبا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان دونوں سرفروشوں کے اخلاص عمل کا اس قدر اثر ہوا کہ آپ ﷺ لڑائی کے بعد بہ نفس نفیس ان کی لاشوں پر تشریف لے گئے اور فرمایا: "میں تم سے راضی ہوں"۔ ان کی قبر کھدنے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاؤں کی جانب کھڑے رہے۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ کو سرخ لکیروں یا سرخ بوٹیوں کی ایک چادر کا کفن پہنایا۔ چادر چھوٹی تھی پاؤں ننگے رہ گئے حضور ﷺ نے ان پر حرملہ گھاس ڈلوا دی اور پھر اپنے ہاتھوں سے ان کو سپرد خاک کیا۔

کاش! میری موت بھی ایسی ہوتی

سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "جو ہمت اور دلاوری وہب بن قابوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غزوۂ احد میں دیکھی گئی ویسی کسی معرکے میں کسی سے دیکھنے میں نہیں آئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ باوجود ان

زخموں کے جو آپ کے جسم اطہر پر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود جاکر قبر میں اتارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر سرخ لکیروں یا سرخ بوٹیوں کی تھی اس کو اوڑھا کر دفن فرمایا، کاش میری موت بھی ایسی ہی ہوتی"۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کبھی غزوہ اُحد کا تذکرہ چھڑ جاتا تو آپ فرمایا کرتے کاش اس مزنی کی شہادت مجھے نصیب ہوتی"۔

اسی طرح اور بھی بڑے بڑے صحابہ علیہم الرضوان حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر رشک کیا کرتے تھے۔

اللہ اللہ، یہ صحرا نشین جو قبول اسلام کے بعد دنیا کی آلودگیوں میں ایک لمحہ کے لئے بھی ملوث نہ ہوئے اور جن کو خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی اُن کی خوش بختی پر کون مسلمان رشک نہ کرے گا۔

قرآن کا دیوانہ

جب مرکزِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوا تو عرب کے گوشے گوشے سے متلاشیانِ حق مدینہ پہنچنے شروع ہوئے۔ یہ لوگ گھربار تج کر اور دنیا کے زر و مال، آسائش و آرام کو چھوڑ کر تعلیم دین کے لئے بارگاہ رسالت ﷺ میں آتے تھے۔ انہوں نے فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی محض رضائے الٰہی عزوجل کی خاطر اختیار کی تھی۔ سفر کی صعوبت، بھوک، پیاس کی مصیبت اور گرمی سردی کی تکلیف غرض کوئی چیز بھی اسلام کی تعلیم اور کلامِ الٰہی عزوجل کا درس لینے سے ان کی روک نہ بن سکتی تھی۔ حالتِ امن میں وہ اللہ کے مسکین ترین بندے تھے اور میدانِ جہاد میں شیرانِ نر سے بڑھ کر تھے۔ جب ان درویشانِ اسلام کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کے خود کفیل بن گئے۔ آپ نے ان کے مستقل قیام کے لئے مسجد نبوی ﷺ سے جانب مشرق ایک مسقف چبوترہ بنوادیا۔ عربی میں سائبان یا مسقف

والان کو صُفّہ کہتے ہیں۔ اس لئے یہ مردانِ حق آگاہ بھی اصحابِ صُفّہ کہلانے لگے۔ ان بزرگوں کو اَضْیَافُ الْاِسْلَام (اسلام کے مہمان) یا اَضْیَافُ اللہ عزوجل (اللہ عزوجل کے مہمان) بھی کہا جاتا ہے۔

اصحاب صُفّہ علیھم الرضوان میں ایک نوجوان بھی تھے جنہیں مبداء فیض نے کمال درجے کا سوزِ ایمان اور قلب گُداز عطا فرمایا تھا۔ ان کا عنفوانِ شباب تھا لیکن دنیا کی رنگینیوں سے مُطلق کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آقائے دوجہاں ﷺ سے قرآن مجید سیکھتے اور دن رات عجیب ذوق و شوق اور جوش و نشاط سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص دکھاوے کے لئے اتنی بلند آواز سے کلامِ الٰہی عزوجل پڑھتا ہے"۔

حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا: "عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اسے کچھ نہ کہو یہ تو سوزِ قلب رکھنے والوں میں ہے اور اللہ عزوجل اور اللہ عزوجل کے رسول ﷺ کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا ہے"۔

یہ سعادت مند نوجوان جن کے اخلاص اور سوزِ قلب کی خود سیدالمرسلین، شاہ موجودات، خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی، حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

یتیم بھتیجا

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابھی عہدِ طفلی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ عبد نہم کے بھائی نے یتیم بھتیجے کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اور نہایت شفقت و محبت سے اس کی پرورش کی۔ اس بچے کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیم اور قلب گداز عطا کیا تھا۔ جب اس نے ہوش سنبھالا تو مکہ میں دعوتِ حق کا آوازہ بلند ہو چکا تھا۔ ہوتے ہوتے حضرت عبداللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کانوں میں بھی دعوتِ توحید کی صدا پہنچ گئی۔ بلا تامل اس پر لبیک کہا لیکن چچا ابھی تک کفر و شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں اسلام کی محبت بڑھتی چلی گئی لیکن چچا کے خوف سے اس کا اظہار نہ کرتے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ اللہ تعالیٰ کب چچا کو بھی قبولِ حق کی توفیق دیتا ہے۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے لیکن چچا کو قبول حق کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔ اس اثناء میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے

ظالم چچا

آخر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ ایک دن وہ چچا کے پاس گئے اور کہا، "پیارے چچا! میں عرصہ سے انتظار کر رہا ہوں کہ آپ کب جھوٹے معبودوں سے منہ موڑ کر لوائے توحید تھامتے ہیں لیکن آپ کا جو حال پہلے تھا وہی اب ہے۔ اللہ عزوجل نے مجھے توفیق دی ہے کہ حق اور باطل میں تمیز کر سکوں۔ آپ آگاہ ہو جائیے کہ میں خدائے واحد عزوجل اور اس کے سچے رسول ﷺ پر ایمان لاتا ہوں"۔

چچا نے برافروختہ ہو کر کہا، "اگر تو نے محمد ﷺ کا دین قبول کر لیا ہے تو اس سے بڑھ کر میرے لئے صدمہ کی کوئی بات نہیں۔ کیا میں نے اسی دن کے لئے تیری پرورش کی تھی کہ اپنے معبودوں کو جھٹلائے۔ بہتر یہی ہے کہ نیا دین فوراً ترک کر دے ورنہ اونٹ، بکریاں، مال، کپڑے جو کچھ میں نے تمہیں دے رکھا ہے، سب چھین لوں گا"۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے دھڑک جواب دیا۔ "چچا جان! اب تو خواہ میری جان چلی جائے میں اللہ عزوجل اور اللہ عزوجل کے سچے رسول ﷺ سے منہ نہ موڑوں گا"۔

چچا یہ جواب سن کر غضب ناک ہو گیا۔ اس نے توحید کے متوالے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سب کچھ چھین لیا۔ حتیٰ کہ ان کے کپڑے تک اُتروا لئے۔

صرف کپڑے کی ایک دھجی باقی رہنے دی تاکہ اس سے ستر ڈھانک سکیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ برہنہ تن لنگوٹی باندھے اپنی ماں کے پاس گئے اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ بیوہ ماں کو اپنے لخت جگر سے بے پناہ محبت تھی۔ جب لڑکے کو اس حال میں دیکھا تو بے تاب ہو گئی۔ ایک چادر تھی انہیں دے دی کہ اپنے جسم پر ڈال لو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چادر کے دو ٹکڑے کئے ایک کا تہہ بند بنایا اور دوسرے کو بدن پر ڈال لیا اور پھر مدینہ کی طرف چل پڑے۔

دو چادروں والا

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو رات ڈھل چکی تھی اور نماز فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ سیدھے مسجد نبوی ﷺ میں گئے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد جب سرکار مدینہ قرار قلب و سینہ ﷺ کی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نظر پڑی تو پوچھا، "تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا، مسلمان ہو چکا ہوں، "میرا نام عبدالعزیٰ ہے" مسافر ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا، "آج سے تمہارا نام عبدالعزیٰ نہیں عبداللہ ہے اور لقب ذوالبجادین (دو چادروں والا) ہے۔ تم ہمارے قریب ہی ٹھہرو"۔

حضور پُر نور ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرطِ مسرت سے باغ باغ ہو گئے۔ وہ اصحابِ صفہ میں شامل ہو کر صبح و شام آستانہ نبوی ﷺ کی حاضری کو اپنا معمول بنا لیا۔ محبوب رب العالمین ﷺ کے کاشانہ اقدس کی دربانی ان کو دنیا کی ہر شے سے محبوب تھی۔ حضور ﷺ بھی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور ان کو بہت عزیز جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذکرِ الٰہی عزوجل سے بے انتہا شغف تھا۔ ہر وقت پُر سوز آواز میں تہلیل و تسبیح اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوزِ اخلاص کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ نوجوان قلب تپاں

رکھنے والے لوگوں میں ہے۔

آقا ﷺ نے قبر میں اتارا

۹ھ ہجری میں سرور عالم ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو تیس ہزار جاں نثار آپ ﷺ کی ہم رکاب تھے۔ حضرت عبداللہ ذوالبجادین بھی ان جاں نثاروں میں شامل تھے۔ چلنے سے پہلے یا اثنائے راہ میں وہ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"یارسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالے مجھے رتبہ شہادت پر فائز کرے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔ جاؤ کسی درخت کی چھال اتار لاؤ۔

جب وہ چھال اتار کر لائے تو حضور ﷺ نے وہ چھال ان کے بازو پر باندھ دی اور فرمایا: میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون کافروں پر حرام کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان آپ ﷺ میرا خون کافروں پر حرام کر رہے ہیں لیکن میں تو شہادت پانے کا طلب گار ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم راہ خدا عزوجل میں جہاد کی نیت سے نکل آئے اور پھر لڑائی سے پہلے تمہیں بخار آ جائے اور اس بخار سے تم وفات پا جاؤ تب بھی تم شہید ہی ہو گے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر مطمئن ہو گئے۔ خدا کی قدرت لشکر اسلام جب تبوک پہنچا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شدید بخار آ گیا اور اسی بخار سے وہ لشکر گاہ میں عالم بقاء کو سدھار گئے۔ تدفین رات کے وقت عمل میں آئی۔ اس وقت چشم فلک نے عجیب منظر دیکھا۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں مشعل تھی اور اس کی روشنی میں سرور کون و مکاں ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر قبر کھود رہے تھے۔ جب قبر کھد چکی تو حضور ﷺ نے اپنے دونوں رفیقوں کی مدد سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میت کو لحد میں رکھا۔ اس وقت آپ ﷺ ان سے فرما رہے تھے۔ آدنا الی اخاکما (اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو)۔ جب قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تو سید المرسلین ﷺ نے دعا مانگی: الٰہی عزوجل میں اس سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی رہ۔"

فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس موقع پر موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سن کر میرا جی چاہا کہ اے کاش عبداللہ ذوالبجادین کی بجائے مجھے موت آجاتی۔ (یعنی اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا کہ خود حضور ﷺ اپنے دست مبارک سے مجھے دفن کرتے اور میرے لیے اسی طرح دعا فرماتے۔)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین جس شان سے ہوئی اس سے ان کی جلالت قدر اور بارگاہ رسالت ﷺ میں ان کی محبوبیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ ذوالبجادین کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص بارگاہ الٰہی عزوجل میں سچے دل سے فریاد کرتا ہے۔

میرے قاتل سے بدلہ مت لو

سنہ ۸ ہجری میں سرور عالم ﷺ غزوہ طائف سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کو واپس تشریف لا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قبول اسلام کی سعادت حاصل کی اس کے بعد انہوں نے عرض کی:

"یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے قبیلہ کو حق کی دعوت دوں۔"

بنو ثقیف بڑے جنگجو اور مغرور لوگ تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "تمہاری سنگدل قوم تم سے لڑے گی۔" (یا بروایت دیگر تمہاری قوم تم کو قتل کر دے گی) انہوں نے عرض

کیا یارسول اللہ ﷺ بنو ثقیف میرا بہت احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر میں سو رہا ہوں تو مجھے بیدار بھی نہیں کرتے۔ کہ مبادہ مجھے تکلیف ہو۔ ان کی بات سن کر حضور ﷺ نے انہیں تبلیغ حق کی اجازت دے دی۔

سعادت اندوز اسلام ہو کر حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء کے قریب طائف پہنچے اور وہاں پر انہوں نے بنو ثقیف کو اسلام کی دعوت دی اس پر وہ بھڑک اٹھے اور حضرت عروہ کو سخت سست کہہ کر چلے گئے۔

صبح کو حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکان کے بالاخانے میں کھڑے ہو کر فجر کی اذان دی۔ اس کو سن کر بنو ثقیف مشتعل ہو گئے اور حضرت عروہ کا رتبہ واحترام بالائے طاق رکھ کر ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ) کے ایک شخص اوس بن عوف نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ ان کی رگ اکحل میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر پیغام قضا ثابت ہوا۔ جب ان کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو ان کے اہل خاندان ہتھیار باندھ کر ان کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کا بدلہ ضرور لیں گے۔ خواہ ہمارا بچہ بچہ مارا جائے' جب تک ہم بنو مالک کے دس سردار نہ قتل کر لیں گے ہم کو چین نہ آئے گا۔

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیک نفسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے فرمایا' "یہ تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص احسان ہے کہ اس نے رتبہ شہادت پر مجھے فائز کیا' میرے بدلہ میں کسی کو قتل نہ کرو۔ میری تو اب صرف یہ تمنا ہے اور میری تو اب صرف یہ آرزو ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے ان ساتھیوں کے پاس دفن کرنا جو محاصرہ طائف کے دوران میں شہید ہوئے۔"

ایک اور روایت میں ان سے یہ الفاظ بھی منسوب ہیں۔۔ "میرے بارے میں جنگ و جدال نہ کرو میں نے تم لوگوں میں مصالحت باہمی کے لئے اپنا خون معاف کر دیا' میرا قتل تو اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے اس کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنی جان راہ حق میں قربان کرنے کی

توفیق دی میں گواہی دیتاہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جنہوں نے مجھے اس بات کی خبر دی تھی کہ تمہاری قوم تمہیں قتل کر ڈالے گی۔"

اس وصیت کے بعد حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اہل خاندان نے طائف کے گنج شہیداں میں سپرد خاک کر کے ان کی آخری تمنا پوری کر دی۔[۴۲]

حبشی کے سرہانے دو حوریں

[۷] ہجری کے آغاز میں سرور عالم ﷺ غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تو یہودیوں نے اپنے قلعوں میں محصور ہو کر مزاحمت کے لئے زبردست تیاری کی۔ حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عامر یہودی نطاۃ کے قلعے میں تھے۔ حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم کس لیے مسلح ہو رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ایک شخص محمد ﷺ جو اپنے آپ کو اللہ عزوجل کا نبی کہتا ہے ہم پر حملہ آور ہوا ہے ہم اسی سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ان کی باتیں سن کر حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں عجیب کیفیت پیدا ہوئی اور وہ غائبانہ حضور ﷺ پر نور کے والہ و شیدا ہو گئے۔ حسب معمول بکریاں لے کر قلعے سے باہر نکلے اور سیدھے سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پھر بارگاہ رسالت ﷺ میں یوں عرض پیرا ہوئے:

"اے محمد ﷺ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ عزوجل کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ اور مجھے اللہ عزوجل کا رسول ﷺ جانو۔"

حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً کلمہ شہادت پڑھ کر دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو گئے اور عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کو

---

[۴۲] حواشیہ صفحہ ۲۳۲ پر دیکھیں

مالک کے پاس پہنچادوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: بکریوں کو لشکر کے باہر لے جا کر ہانک دو اور تھوڑی سی کنکریاں ان کے پیچھے پھینک دو۔ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس امانت سے بری الذمہ کر دے گا۔

حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی کیا اور بکریاں بھاگ کر اپنے مالک کے گھر میں گھس گئیں۔

لڑائی شروع ہوئی تو حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہتھیار لے کر مجاہدین میں شامل ہو گئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا عَمِلَ قَلِیْلاً وَ اُجِرَ کَثِیْرًا (اس نے تھوڑا عمل کیا اور کثیر اجر پایا)

ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش ایک خیمے میں رکھ دی۔ سرور عالم ﷺ لاش کو دیکھنے خیمے کے اندر تشریف لے گئے لیکن فوراً لوٹ آئے اور فرمایا' اللہ تعالیٰ نے اس بندہ حبشی کا اکرام کیا اور اس کو بہشت میں پہنچادیا' میں نے دیکھا کہ دو حوریں اس کے سرہانے بیٹھی ہیں۔

(ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کے پاس اس کی بیوی جو حُور عین ہے' بیٹھی ہے۔)

سیاہ فام آدمی

رحمت عالم ﷺ ایک دن اپنے چند جاں نثاروں کے حلقے میں تشریف فرما تھے کہ نہایت بے ڈول جسم اور بھدے چہرے مہرے کے ایک سیاہ فام شخص ڈرتے جھجکتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں میں نہایت بد صورت اور سیاہ فام آدمی ہوں۔ لوگ مجھ کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتے ہیں' کیا مجھ جیسا کریہہ منظر انسان بھی جنت میں داخل ہو سکے گا۔"

سرورِ عالم ﷺ نے ان پر لطف و کرم سے بھرپور نظر ڈالی اور فرمایا

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' تمہیں تمہاری بدصورتی اور سیاہ رنگت جنت میں داخل ہونے سے ہرگز نہ روکے گی' لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ عزوجل سے ڈرو اور میری رسالت پر ایمان لاؤ۔"

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر ان صاحب کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا اور ان کی زبان پر بے اختیار کلمہ شہادت جاری ہو گیا۔ سعادت اندوز اسلام ہونے کے بعد انہوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ میرے حقوق کیا ہیں؟"

فرمایا:۔

"تمہارے حقوق وہی ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اور تم پر وہی فرائض ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اور تم ان کے بھائی ہو۔"

یہ سیاہ فام کم رو صاحب جن کو اسلام لانے کے صلے میں خود سید المرسلین ﷺ نے جنت کی بشارت دی' سیدنا حضرت سعد الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

انوکھا دولہا

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قبول اسلام کے بعد (اسی مجلس میں یا ایک دوسری روایت کے مطابق چند دن بعد) حضرت سعد الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں لیکن کوئی شخص میری بدصورتی کے سبب مجھ کو رشتہ دینے پر راضی نہیں ہوتا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو پیام دیئے لیکن سب نے رد کر دیئے۔ ان میں سے کچھ یہاں موجود ہیں اور کچھ غیر حاضر ہیں۔"

رحمت عالم ﷺ جانتے تھے کہ اس سیاہ فام شخص کو اللہ تعالیٰ نے نورانی صفات سے

کی ہے اور جوش ایمان اور اخلاص فی الدین کی اعتبار سے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

حضور ﷺ سراپا رحمت تھے۔ بیکسوں اور حاجت مندوں کے ملجا و ماویٰ تھے' اپنے ایک جاں نثار کی بیکسانہ درخواست سن کر آپ ﷺ کی شان رحیمی نے گوارا نہ کیا کہ لوگ اس کو محض اس وجہ سے ٹھکرائیں کہ وہ ظاہری حسن و جمال سے محروم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ' گھبراؤ نہیں' میں خود تمہاری شادی کا بندوبست کرتا ہوں' تم اسی وقت عمرو بن وہب ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جاؤ اور سلام کے بعد ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کر دیا ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت سعد الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاداں و فرحاں حضرت عمرو بن وہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف چل دیئے۔

حضرت عمرو بن وہب ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور ابھی ان کے مزاج میں زمانہ جاہلیت کی دُرشتی موجود تھی۔ حضرتِ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے گھر پہنچ کر انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مطلع کیا تو ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ میری ماہ پیکر ذہین و فطین لڑکی کی شادی ایسے کریہہ منظر شخص سے کیسے ہو سکتی ہے۔ انہوں نے سوچے سمجھے بغیر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیام رد کر دیا اور بڑی سختی کے ساتھ انہیں واپس جانے کے لئے کہا۔ سعادت مند لڑکی نے حضرتِ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے باپ کی گفتگو سن لی تھی، جونہی حضرتِ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس جانے کے لئے مڑے وہ لپک کر دروازے پر آئی اور آواز دی:

"اللہ عزوجل کے بندے واپس آؤ، اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بھیجا ہے تو میں خوشی تمہارے ساتھ شادی کے لئے تیار ہوں جس بات سے اللہ عزوجل اور اس کا رسول ﷺ راضی ہیں میں بھی اس پر راضی ہوں"۔

اس اثناء میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھ چکے تھے، معلوم نہیں انہوں نے لڑکی کی بات سنی یا نہیں بہر صورت بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ

عرض کر دیا۔ اُدھر ان کے جانے کے بعد نیک بخت لڑکی نے اپنے والد سے کہا۔ ''ابا قبل اس کے کہ اللہ عزوجل آپ کو رُسوا کرے آپ اپنی نجات کی کوشش کیجئے۔ آپ نے بڑا غضب کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پروانہ کی اور حضور ﷺ کے فرستادہ کے ساتھ درشت سلوک کیا''۔

عمرو بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکی کی بات سُنی تو اپنے انکار پر سخت پشیمان ہوئے اور ڈرتے ہوئے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

''تم ہی نے میرے بھیجے ہوئے آدمی کو لوٹایا تھا''۔

عمرو بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ بیشک میں نے اس آدمی کو لوٹایا تھا لیکن یہ غلطی لاعلمی میں سرزد ہوئی۔ میں اس شخص سے واقف نہ تھا۔ اس لئے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا اور اس کا پیام نامنظور کر دیا، خدا کے لئے مجھے معاف فرما دیجئے مجھے اپنی لڑکی کی شادی اس شخص سے بسر و چشم منظور ہے''۔

حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عُذر قبول فرمایا، اور حضرت سعد الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نے تمہارا عقد بنتِ عمرو بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ اب تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ''۔

جنّتی دُولھا

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرتِ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے حد مسرت ہوئی، بارگاہ نبوی ﷺ سے اُٹھ کر سیدھے بازار گئے اور ارادہ کیا کہ نو بیاہتا بیوی کے لئے کچھ تحائف خریدیں۔ ابھی کوئی چیز نہیں خریدی تھی کہ ان کے کانوں میں ایک منادی کی آواز پڑی جو پکار رہا تھا:

"اے اللہ عزوجل کے شہسوارو، جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو"۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوجوان تھے۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی، دل میں ہزار اُمنگیں اور ارمان تھے بارہا مایوس ہونے کے بعد شادی کا مژدہ فردوسِ گوش ہوا تھا لیکن منادی کی آواز سن کر تمام جذبات پر جوشِ ایمانی غالب آگیا اور نو عروس کے لئے تحائف خریدنے کا خیال دل سے یکسر کافور ہو گیا، جو رقم اس مقصد کے لئے ساتھ لائے تھے، اس سے گھوڑا، تلوار اور نیزہ خریدا اور سر پر عمامہ باندھ کر سرورِ عالم ﷺ کی قیادت میں غزوہ پر جانے والے مجاہدین میں جا شامل ہوئے۔ اس سے پہلے نہ اُن کے پاس گھوڑا تھا، نہ نیزہ و تلوار اور نہ انہوں نے کبھی عمامہ اس طرح باندھا تھا اس لئے کسی کو معلوم نہ ہوا کہ یہ سعد الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ میدانِ جہاد میں پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے جوش و شجاعت کے ساتھ لڑے کہ بڑے بڑے بہادروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ایک موقعہ پر گھوڑا اَڑ گیا تو اس کی پُشت پر سے کود پڑے اور آستینیں چڑھا کر پیادہ پا ہی لڑنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے ان کے ہاتھوں کی سیاہی دیکھ کر شناخت کر لیا اور آواز دی "حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لیکن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر اس جوش و وارفتگی کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ اپنے آقا و مولا ﷺ کی آواز کی بھی خبر نہ ہوئی، اسی طرح دادِ شجاعت دیتے ہوئے جُرعۂ شہادت نوش کیا اور عروسِ نو کے بجائے حورانِ جنت کی آغوش میں پہنچ گئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ ان کی لاش کے پاس تشریف لائے، ان کا سر اپنی گود میں رکھ کر دعائے مغفرت کی اور پھر فرمایا:

"میں نے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقد عمرو بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لڑکی سے کر دیا تھا اس لئے اس کے متروکہ سامان کی مالک وہی لڑکی ہے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہتھیار اور گھوڑا اسی کے پاس پہنچا دو اور اس کے ماں باپ سے جا کر کہہ دو کہ اب خدا نے

تمھاری لڑکی سے بہتر لڑکی سعد کو عطا کر دی اور اس کی شادی جنت میں ہو گئی"۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت سعد الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دنیائے فانی میں بہت کم عرصہ قیام کیا لیکن اس مختصر مدت میں انہوں نے اپنے جوشِ ایمان اور اخلاص عمل کے جو نقوش صفحہ تاریخ پر ثبت کئے وہ اُمتِ مسلمہ کے لئے تاابد مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

پیٹ پر پتھر باندھنے والے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سعید الفطرت اصحاب میں سے ہیں جن کو دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ۱۳ بعد بعثت تک برابر مکہ میں مقیم رہ کر مشرکین قریش کے مظالم سہتے رہے۔ جب ہجرت مدینہ کا اذن ہوا تو ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ آ گئے۔ بقول ابنِ سعد حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا۔

سرورِ عالم ﷺ کے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو انہوں نے بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں حضور ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ غزوات کے علاوہ کئی سرایا میں بھی شریک ہوئے اور والہانہ جوش و خروش سے داد شجاعت دی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ بعض سرایا میں انہیں بڑی سختیاں جھیلنی پڑیں لیکن ان کے شوقِ جہاد میں مطلق کمی نہ آئی۔ حضرتِ عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سریہ میں عمرو بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے ساتھ تھے راستے میں خوراک ختم ہو گئی اور ہمیں فاقہ پر فاقہ ہونے لگا۔ عمرو دراز قامت دبلے پتلے آدمی تھے۔ ان کی حالت اتنی نازک ہو گئی کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر ہی چلنے کے قابل ہوئے راہ خدا عزوجل میں انہوں نے یہ تمام صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں

وفات پائی۔ اولاد کوئی نہ تھی۔

سرداروں پر محنت

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاکیزہ کردار اور حکیمانہ انداز تبلیغ نے بیسیوں افراد کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر دی اور اوس اور خزرج کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس کا کوئی نہ کوئی فرد اسلام کی سعادت سے فیض یاب نہ ہوا ہو، لیکن ابھی تک ان قبیلوں کے سردار اسلام سے ناآشنا تھے، اس لئے اشاعتِ اسلام کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رکاوٹ کو دُور کرنے کی عجیب صورت پیدا کر دی۔ ایک دن حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر بنی ظفر اور بنی عبدالاشہل کے محلوں کی طرف گئے (یہ دونوں قبیلہ اوس کے گھرانے تھے) وہاں بنی ظفر کے ایک باغ میں کنوئیں (بیر مرق) پر بیٹھ گئے۔ بہت سے اور مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے۔ کسی نے بنو عبدالاشہل کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اطلاع دی کہ مسلمان تمہارے محلے میں آکر لوگوں کو بھکا رہے ہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خبر سن کر سخت غضب ناک ہوئے اور مسلح ہو کر وہاں جانے کا ارادہ کیا، لیکن جب پتہ چلا کہ مسلمانوں میں اسعد بن زُرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود ہیں، تو رُک گئے، کیوں کہ اسعد بن زُرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے خالہ زاد بھائی تھے، تاہم انہوں نے اپنے ابن عم اُسید بن حضیر سے کہا:

"اسید! تم جاؤ اور اُن لوگوں کو منع کر دو کہ وہ آئندہ ہمارے آدمیوں کو گمراہ کرنے اوس کے محلوں میں نہ آئیں۔ اسعد بن زارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں نہ ہوتا تو میں خود جاتا"۔

حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بنو عبدالاشہل کے سرداروں میں سے تھے اور بڑے پر جوش نوجوان تھے۔ انہوں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور بیر مرق کی طرف تیزی سے چل پڑے۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اس طرح آتے دیکھا تو حضرت

مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "یہ قبیلہ اوس کے دو بڑے سرداروں میں سے ایک ہے۔ آج آپ کو اس کے سامنے اللہ کا پیغام پہنچانے کا حق ٹھیک ٹھیک طریقے سے ادا کرنا ہے"۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اسے ذرا بیٹھنے دو، میں بات کرتا ہوں، آگے جو اللہ عزوجل کو منظور ہے"۔

اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہنچتے ہی خشم آلود لہجے میں تیز تیز گفتگو شروع کر دی اور حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر بولے: "تم یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہو؟ کیا ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے؟ زندگی پیاری ہے تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کرنا!"

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تند و تیز باتیں بڑے تحمل سے سنیں اور پھر نہایت نرمی سے فرمایا: "عزیز بھائی! آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر میری بات سن لیجیے، پسند آئے تو قبول کر لیجیے ورنہ رد کر دیجیے گا"۔

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حلم آمیز گفتگو نے اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غیظ و غضب پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا۔ انہوں نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور یہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے: "ہاں تم نے انصاف کی بات کی ہے۔ کہو کیا کہتے ہو!"

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت دل نشین انداز میں اسلام کے اصول بیان کئے اور پھر قرآن حکیم کی چند آیات پڑھیں۔ حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے اختیار پکار اٹھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

ہے فلاح و کامرانی نرمی و آسانی میں

حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کی سعادت سے مالامال ہونے کے بعد حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "پیچھے ایک آدمی اور بھی ہے اگر وہ حلقہ بگوش

اسلام ہو گیا، تو سارا قبیلہ مسلمان ہو جائے گا کیونکہ اُس کی قوم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو اُس کی بات نہ مانے۔ میں اُس کو ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ سیدھے سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ اُس وقت وہ اپنے قبیلے کے بہت سے آدمیوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر بولے، "خدا عزوجل کی قسم! جب یہ یہاں سے چلا تھا تو اس کا چہرہ جوشِ غضب سے تمتما رہا تھا، لیکن اب اس کا کچھ اور ہی رنگ ہے"۔

حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے قریب پہنچے، تو سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: کہو میاں، کیا کر آئے؟"

حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: "میں نے اُن دونوں آدمیوں سے بات کی۔ خدا میں نے تو اُن سے کوئی خطرے کی بات محسوس نہیں کی۔ میں نے اُنہیں روکا، تو بولے ہماری بات سُن لو، پھر تمہیں اختیار ہے! جو کام تمہیں ناپسند ہو وہ ہم نہیں کریں گے۔

سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگ بگولا ہو گئے، نیزہ ہاتھ میں لیا اور یہ کہتے ہوئے بیر مرق کی طرف لپکے۔ "اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ! خدا عزوجل کی قسم، جس کام کے لئے تمہیں بھیجا، وہ تو ہوا نہیں البتہ تم ایک نئی مصیبت لے آئے"۔

حضرتِ اسعد بن زُرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آتے دیکھا، تو حضرت مُصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "یہ اپنی قوم کا سب سے باثر سردار ہے۔ کوئی شخص بھی اس کی بات رد نہیں کر سکتا۔ اگر یہ اسلام قبول کرے تو سارا قبیلہ اس کی پیروی کرے گا"۔

حضرت سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہ غضب ناک انداز میں حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے اور حضرت اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

"ابو اُمامہ، خدا کی قسم! اگر میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری نہ ہوتی، تو تم یہ

جرات ہرگز نہ کرتے کہ ہمارے گھروں میں آکر ہم پر وہ بات ٹھونسنے کی کوشش کرو، جسے ہم بُرا سمجھتے ہیں"۔

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی گئے گزرے آدمی نہ تھے۔ وہ سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کا جواب اسی لہجے میں دے سکتے تھے، لیکن وہ تبلیغ حق کی خاطر وہاں آئے تھے، اس لئے خالہ زاد بھائی کی تلخ باتیں سُن کر صرف مسکرادیے، البتہ حضرت مُصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا: "محترم بھائی! ذرا بیٹھ کر ہماری بات تو سُن لیجئے۔ پسند آئے، تو مان لیجئے، نہ آئے، تو ہم چلے جائیں گے اور وہ بات نہ کہیں گے جو آپ کے خلاف طبع ہو"۔

"یہ بات تم نے قاعدے کی کہی": حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اور اپنا نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مُصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور سورہ زخرف یا حٰم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔

حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مُصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن سنتے ہی سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے کی خشونت نرمی اور بشاشت میں بدل گئی اور انہوں نے بھی کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ اب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا نیزہ اٹھا کر واپس اپنے قبیلے میں پہنچے۔ اُنہیں دیکھ کر قبیلے کے بعض لوگ پکار اُٹھے: "خدا عزوجل کی قسم! ہم حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدلا ہوا پاتے ہیں، اب اُن کا چہرہ وہ نہیں جس کو لے کر گئے تھے"۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارے بنو عبدالاشہل کو جمع کیا اور اُن سے پوچھا:

"اے بنی عبدالاشہل! تمہارے نزدیک میں کیسا ہوں؟"

"آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے زیادہ صاحب الرائے، عاقل اور معاملہ فہم ہیں"۔ سب نے یک زبان جواب دیا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: "تو پھر سُن لو، تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ!!"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعلان سن کر بنو عبدالاشہل کے بیشتر افراد اسی وقت نعمت اسلام سے سعادت اندوز ہو گئے۔ جو باقی رہ گئے وہ بھی سوائے ایک آدمی الاصیرم بن ثابت کے شام تک مسلمان ہو گئے اور مدینے کے درودیوار تکبیر کے نعروں سے گونجنے لگے۔ (الاصیرم کو بھی اللہ تعالیٰ نے غزوہ اُحد کے موقع پر قبولِ حق کی توفیق دی اور وہ اسی غزوہ میں مردانہ وار لڑ کر شہید ہوئے)

قبول اسلام کے بعد حضرتِ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں آٹھہرے اور پھر حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر تبلیغ حق میں دن رات ایک کر دیے، یہاں تک کہ تین چار کے سوا انصار کے سب گھرانوں میں اسلام پھیل گیا تھا۔ قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے اہل خاندان بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے اصحاب میں شامل تھے۔ اس طرح اوس اور خزرج کے قریب قریب سبھی سربر آوردہ اور سعید الفطرت لوگ اسلام کے دست وبازو بن گئے۔

ایک شخص ہزار کے برابر

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مصر کی مہم پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ انہوں نے تھوڑے ہی عرصے میں باب الیون، عریش، بلبیس، فسطاط وغیرہ کئی مصری شہروں کو فتح کر لیا۔ پھر اسکندریہ کی طرف بڑھے، مصریوں نے قلعہ بند ہو کر زبردست مقابلہ کیا اس سے مسلمانوں کے بڑھتے

ہوئے قدم رک گئے۔ جب کئی ماہ تک اسکندریہ فتح ہونے میں نہ آیا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دارالخلافہ سے مدد مانگ بھیجی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار ہزار سوار بطور کمک روانہ کیے جو چار افسروں کی ماتحتی میں تھے۔ یہ چار افسر حضرت زبیر بن العوام' حضرت مقداد بن اسود کندی' حضرت مسلمہ بن مخلد اور حضرت عبادہ بن صامت علیہم الرضوان تھے جو فن سپہ گری میں تمام عرب میں انتخاب تھے۔ یہ کمک روانہ کرتے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مردم شناس نابغہ عظیم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ کو لکھا کہ ان افسروں میں ہر شخص ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ اس بناء پر یہ فوج چار ہزار نہیں بلکہ آٹھ ہزار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ہدایت بھی کی کہ جس وقت میرا یہ خط تم کو ملے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے جہاد کے فضائل بیان کرو اور جن چار افسروں کو میں نے بھیجا ہے ان کو فوج کے آگے کر کے جمعہ کے دن حملہ کرو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ کمک پہنچی تو انہوں نے فوج کے سامنے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پڑھا' اسے سن کر مجاہدین میں زبردست جوش پیدا ہو گیا۔ جمعہ کے دن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج مرتب کر کے اسکندریہ پر بھرپور حملے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا نیزہ لیا اور اس پر اپنا عمامہ لٹکا کر ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ یہ پرچم لیجئے اور اس فوج کی قیادت کیجئے' آج آپ ہی امیر عسکر ہیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت جوش سے ایسا زبردست حملہ کیا کہ رومیوں کے دفاعی استحکامات درہم برہم ہو گئے اور ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ بحری و بری راستے سے جدھر راہ ملی بھاگ نکلے اور مسلمان فاتحانہ شان سے اسکندریہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس زمانے میں یہ کارنامہ سرانجام دیا وہ تقریباً ساٹھ برس کے پیٹے میں تھے۔

اس عمر میں اس بے جگری سے میدان رزم میں اترنا کسی ایسے شخص ہی کا کام ہو سکتا تھا جو غیر معمولی عزم و ہمت کا مالک ہو اور شجاعت و بسالت میں بھی اپنا جواب آپ ہو۔

مجھے معاف کر دو!

مشہور محدث حضرت سیدنا امام بیہقی اور ابن عساکر نے عبادہ بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے غلاموں' خادموں' پڑوسیوں اور ان لوگوں کو جو اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے' بلا لاؤ۔ ان سب کو حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ شاید میرا یہ آخری دن ہو اور آج کی رات میری آخرت کی پہلی رات ہو' تم لوگوں کے ساتھ میرے ہاتھوں یا میری زبان سے کبھی کوئی زیادتی ہوئی ہو تو ایک ایک آئے اور مجھ سے بدلہ لے لے قبل اس کے کہ میری جان نکلے اور قیامت کے دن اللہ عزوجل مجھ سے بدلہ لے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تو ہمارے لئے بمنزلہ والد تھے اور ہم کو ادب سکھانے والے تھے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' تم لوگوں نے مجھ کو معاف کر دیا' سب نے کہا' ہاں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' اے میرے اللہ عزوجل گواہ رہیو۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی بدلہ نہیں لیتا اور سب نے معاف کر دیا تو میری وصیت پر عمل کرنا کہ مجھ پر چلا کر رونا نہیں بلکہ جب میں مر جاؤں تو تم سب اچھی طرح وضو کر کے مسجد جانا اور نماز پڑھ کر میرے لئے مغفرت کی دعا کرنا۔ مجھ کو میری قبر کی طرف جلدی لے چلنا' میرے پیچھے آگ نہ لے جانا اور نہ میرے نیچے ارغوانی رنگ کا کپڑا رکھنا۔ (اس زمانہ کے جاہلوں میں میت کے پیچھے آگ لے جانے کا دستور تھا۔)

مسند احمد میں ہے کہ وفات سے پہلے بیٹے نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا' مجھے اٹھا کے بٹھاؤ۔ بیٹھ گئے تو فرمایا "تقدیر پر یقین رکھنا ورنہ ایمان کی خیر نہیں۔"

ایک بکری کا بچہ اور ایک ہزار مہمان

۵ ہجری میں غزوہ احزاب مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش کی حیثیت رکھتا تھا۔
عرب کے تمام دشمنانِ حق اکٹھا کر کے مدینہ منورہ پر چڑھ آئے تھے اور مسلمانوں کو اپنی
حفاظت کے لئے سخت پتھریلی زمین میں خندق کھودنی پڑی تھی۔ پھر خوراک کی اتنی شدید
قلت تھی کہ مسلمانوں کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک تھے۔ صحیح مسلم اور بعض
دوسری کتب حدیث میں ان سے روایت ہے کہ ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت
چٹان سامنے آگئی۔ لوگوں نے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ خندق میں ایک بڑا
سخت پتھر سامنے آگیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا' میں خندق میں اترتا ہوں چنانچہ آپ کدال
لے کر کھڑے ہوئے اس وقت آپ کے شکم مبارک پر (بھوک کی شدت کی وجہ سے) ایک
پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم لوگ تین دن سے خندق کھود رہے تھے اور کوئی چیز ہمارے منہ میں نہیں
گئی تھی۔ حضور ﷺ نے کدال سے چٹان پر ضرب لگائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گئی' میں نے
حضور ﷺ سے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ میں نے گھر
جا کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ آج میں نے حضور ﷺ کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ مجھ میں تاب
صبر نہیں رہی' کیا گھر میں کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا کہ تھوڑے سے جو اور بکری کا ایک
بچہ موجود ہے۔ میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کا گوشت ہانڈی میں ڈال کر پکنے کے لئے رکھ
دیا۔ بیوی نے جو پیسے اور آٹا گوندھا۔ پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی
کہ میرے ہاں تشریف لا کر ما حضر تناول فرمائیے۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی اور مہاجرین و
انصار کو آواز دی کہ اے اہل خندق آج جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کھانے کی دعوت ہے۔
پس تم لوگ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی
بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ آجاؤ ہانڈی چولھے سے نہ اتارے اور نہ روٹی تنور سے

نکالے۔ میں سخت پریشان ہوا اور اپنے جی میں کہا کہ حضور ﷺ ایک جم غفیر کو ایک صاع جو اور بکری کے ایک بچے پر لا رہے ہیں۔ میں نے گھر جا کر اپنی بیوی سے کہا کہ آج تو نے مجھے رسوا کر دیا۔ حضور ﷺ سارے اہل خندق کو ساتھ لے کر کھانے کے لئے تشریف لا رہے ہیں' بیوی نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔ میں نے کہا' ہاں آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تھا کہ تمہارے پاس کتنا کھانا ہے۔ بیوی نے کہا' اللہ عزوجل اور اللہ کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ صحابہ علیھم الرضوان سمیت تشریف لائے۔ آپ ﷺ روٹی توڑ کر ثرید بناتے' چمچے سے گوشت ڈالتے اور گوشت سے روٹیوں کو ڈھک دیتے' آپ ﷺ برابر اسی طرح کرتے رہے اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور آپ ﷺ بھی لیکن کھانا پھر بھی بچ رہا اب آپ ﷺ نے میری بیوی سے فرمایا کہ تو بھی کھا اور لوگوں کو بھی بھیج کیونکہ لوگ بھوک میں مبتلا ہیں۔"

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جن لوگوں نے اس موقع پر کھانا کھایا ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ بعض دوسری روایتوں میں یہ تعداد تین سو اور آٹھ سو بھی آئی ہے۔

ایک حدیث کیلئے طویل سفر

امام بخاری نے "تاریخ الصغیر" میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ مجھے کسی نے بتایا کہ قصاص کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ہے۔ وہ اس وقت شام میں مقیم تھے۔ میں نے ایک اونٹ خرید اور اس حدیث کی سماعت کے لئے طویل سفر کر کے شام پہنچا۔ وہاں عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر پہنچا اور ان کو پیغام بھیجا کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے ملنے آیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا' کون جابر' عبداللہ کے بیٹے؟ میں نے کہا' جی ہاں۔ یہ سن کر وہ اس حالت میں نکلے کہ ان کی چادر ان کے پاؤں کے نیچے آ رہی تھی۔ انہوں نے مجھ سے معانقہ کیا اس کے بعد میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ایک

حدیث قصاص کے بارے میں ہے۔ میں یہی حدیث سننے آپ کے پاس آیا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' اللہ تعالیٰ بندوں کو جمع کرے گا۔ سب برہنہ ہوں گے۔ غیر ختنہ شدہ ہوں گے اور بُہم ہوں گے' میں نے پوچھا' بُہم کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ کسی کے پاس کوئی چیز نہ ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ پکارے گا کہ میں بدلہ کا دینے والا ہوں' میں ہی مالک ہوں۔ میں جب تک ہر جنتی سے ہر دوزخی کا اور ہر دوزخی سے ہر جنتی کا حق نہ دلالوں نہ کسی کو جنت میں داخل کروں گا اور نہ کسی کو دوزخ میں ڈالوں گا۔ حتیٰ کہ ایک معمولی طمانچہ کا قصاص بھی دلاؤں گا۔ ہم سب (حاضرین) نے عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ یہ بدلہ کا دینا کیسے ہو گا جب کہ ہم سب برہنہ اور تہی دست ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا' نیکی اور بدی سے فیصلہ کیا جائے گا۔ اس حدیث کی سماعت کے بعد حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کو مراجعت کی۔

عیب پوشی کے فضائل

طبرانی نے "الاوسط" میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث کی سماعت کے لئے حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مصر بھی تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بتایا کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی مومن کے عیب کی پردہ پوشی کی تو گویا اس نے زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندہ کیا۔" تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مسرور ہوئے اور مصر میں بغیر قیام کیے مدینہ منورہ کے لئے چل پڑے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کے الفاظ یہ بیان کیے ہیں:

"جس نے اپنے مسلمان بھائی کی دنیا میں پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"

عجیب دعا

نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن احرام (یا اصرام) بن فہر بن ثعلبہ بن غنم الخزرجی مورخ محمد بن عمارہ کا بیان ہے کہ غزوہ بدر میں سرور عالم ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ اگلے سال غزوہ احد میں بھی شریک ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ احد کے دن اپنی تمنائے شہادت کا اظہار یوں کیا کہ الٰہی عزوجل تجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ آفتاب غروب ہونے سے قبل اپنے اسی لنگڑے پاؤں سے سبزہ زار جنت میں چلتا پھرتا نظر آؤں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اور وہ لڑتے ہوئے جام شہادت پی کر جنت میں پہنچ گئے۔

سرور عالم ﷺ نے حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا حال بن کر فرمایا

"نعمان الاعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کے گمان کے مطابق سلوک کیا۔ میں نے نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ جنت میں چل پھر رہا تھا۔ اور اس کے پاؤں میں لنگڑا پن نہیں تھا۔"

انوکھا مہر

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اب بیوہ تھیں اور ان کا لاڈلا بچہ یتیم۔ کچھ مدت بعد ہر طرف سے نکاح کے پیغام آنے لگے لیکن انہوں نے ہر ایک کے جواب میں یہی کہا کہ جب تک انس مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہ ہو جائے میں کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً نو برس کی تھی کہ ان کے قبیلہ کے ایک شخص ابو طلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ ابو طلحہ اس وقت

مشرک تھے اور لکڑی کے ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں خدائے واحد اور اس کے سچے رسول ﷺ پر ایمان لائی ہوں اور تم ایک خود ساختہ لکڑی کے بت کے پجاری ہو جو کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا بھلا زندگی کے سفر میں تم میرے ساتھی کیسے بن سکتے ہیں؟

ابو طلحہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باتوں پر غور کیا تو ان میں وزن محسوس ہوا۔ چند دن بعد حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور ان سے کہا مجھ پر حق واضح ہو گیا ہے اور میں تمہارا دین قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات سن کر حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت خوشی ہوئی اور انہوں نے بے ساختہ کہا:

"پھر مجھے تمہارے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ میرا مہر یہی ہے کہ تم اسلام قبول کر لو۔"

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا تامل سعادت اندوز اسلام ہو گئے اور بقول ابن سعد و حافظ ابن حجر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی والدہ کا نکاح حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑھا دیا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی عورت کا مہر ام سلیم کے مہر سے افضل نہیں سنا۔ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کے بعد حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہیں کے گھر لے گئیں۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں پرورش پانے لگے۔

جشن آمد رسول ﷺ

سرور عالم ﷺ نے مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا تو آپ ﷺ کا پرجوش استقبال کرنے والوں میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدین

بھی تھے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر وفور مسرت میں جاءَ رَسُوْلُ اللہ جاءَ رَسُوْلُ اللہ (رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' رسول اللہ ﷺ تشریف لائے) کے ترانے گا رہے تھے اور سارے شہر میں اچھلتے کودتے ہوئے گشت لگا رہے تھے۔ یہ پر مسرت دن انہیں عمر بھر یاد رہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس دن سے زیادہ مبارک اور پر مسرت دن کوئی نہیں دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ اس دن مدینہ منورہ کے درودیوار طلعت اقدس سے جگمگا اٹھے۔

خوش نصیب خادم

ہجرت نبوی ﷺ کے چند دن بعد حضرت ام سلیم نے اپنے لخت جگر کو حضور ﷺ کا خادم بنا دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے شوہر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ آپ کے پاس کوئی خادم نہیں ہے' انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک زیرک اور ہوشیار لڑکا ہے۔ اس کو آپ ﷺ کی خدمت گاری کے لئے لایا ہوں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبہ اخلاص کو دیکھتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی خدمت گاری کیلئے قبول فرمالیا۔

یہ دن ۔۔۔۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا سب سے بڑا **"یوم سعادت"** تھا۔ اس دن ان کی زندگی کے اس دور مبارک کا آغاز ہوا جس نے انہیں باوجود نو عمر ہونے کے کبار صحابہ علیہم الرضوان کی صف میں شامل کر دیا۔ وہ مسلسل دس برس تک سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں رحمت دو عالم شاہ موجودات سید المرسلین ﷺ کی دل و جاں سے خدمت بجا لاتے رہے اور اس طویل عرصہ میں حضور پر نور ﷺ کا سحاب لطف و کرم ان پر جھوم جھوم کر برستا رہا۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

مجھے کبھی بھی نہیں ڈانٹا

رحمت عالم ﷺ کے خادم خاص ہونے کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کو بہت قریب سے دیکھا اور اپنی مستعدی اور فرمانبرداری سے آپ کو خوش رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ میں نے دس برس اپنے آقا و مولا ﷺ کی خدمت میں گزارے لیکن حضور ﷺ نہ تو کبھی مجھ پر ناراض ہوئے اور نہ کبھی مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی یہاں تک کہ کبھی یہ بھی نہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا ہے یا فلاں کام کیوں نہیں کیا۔

بیہقی نے "شعب الایمان" میں ان کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ اگر کبھی میرے ہاتھ سے کوئی نقصان بھی ہو گیا تو مجھے آپ ﷺ نے اس پر کبھی ملامت نہیں فرمائی۔ اگر گھر والوں میں سے کبھی کسی نے کچھ کہا تو آپ ﷺ نے فرمادیا' رہنے دو کچھ نہ کہو اگر مقدر میں نقصان نہ ہونا ہوتا تو نہ ہوتا۔

مدینے میں نور اسلام

۱۱ ہجری بعد بعثت میں مدینہ کے چھ سعادت مند خزرجی مکہ سے مسلمان ہو کر واپس آئے تو خزرج کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی، وہ بھی اسی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ اگرچہ بعض روایات میں ہے کہ وہ بیعت عقبہ کبیرہ (۱۳ نبوت) میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ اس سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے ۱۴ بعد بعثت میں اہلِ مدینہ کا ایک بڑا قافلہ حج کے لئے مدینہ سے مکہ روانہ ہونے لگا، تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت ۷۵ اہلِ ایمان بھی اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ یہی وہ بلند ہمت اور جری نفوس تھے جو ایک مقررہ رات کی تاریکی میں اپنے مشرک ساتھیوں سے

الگ ہو کر عقبہ کی گھاٹی میں سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ کی بیعت کی اور اس عہد کے ساتھ حضور ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ اپنی جانوں مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپ کی حفاظت اور حمایت کریں گے۔ بیعت کے بعد اہل مدینہ نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنے میں سے بارہ (۱۲) نقیب منتخب کیے۔ ان میں نو (۹) خزرجی تھے اور تین (۳) اوسی۔ خزرجی نقباء میں ایک حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔ تاریخ میں یہ مہتم بالشان واقعہ بیعتِ عقبہ ثانیہ بیعتِ عقبہ کبیرہ یا بیعت لیلۃ العقبہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہی واقعہ سرورِ عالم ﷺ اور صحابہ کرام علیھم الرضوان کی ہجرت الی المدینہ کی تمہید بنا۔ اگرچہ بیعتِ عقبہ کبیرہ کا انعقاد بالکل خفیہ ہوا پھر بھی مشرکین مکہ کے کانوں میں کسی نہ کسی طرح اس کی بھنک پڑ گئی۔ وہ علی الصباح اہلِ قافلہ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

"اے گروہ خزرج ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے خلاف جنگ آزما ہونے کے لئے محمد (ﷺ) سے بیعت کی ہے"۔

مدینہ کے مشرکین کو اس بیعت کا کوئی علم نہ تھا، وہ قسمیں کھانے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ان کے سردار عبداللہ بن اُبی نے کہا اگر ایسا کوئی واقعہ ہوتا تو مجھ سے کبھی پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا۔

عمایدِ قریش اس جواب پر مطمئن ہو کر واپس چلے گئے، لیکن جلد ہی انہیں اصل واقعے کا علم ہو گیا۔ اب وہ اہلِ قافلہ کے تعاقب میں نکلے۔ قافلہ تو نکل چکا تھا، لیکن بد قسمتی سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت مُنذر بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ اس سے بچھڑ گئے تھے۔ مشرکین نے انہیں آذاخر (یا حاجز) کے مقام پر جا لیا۔ حضرت مُنذر رضی اللہ تعالی عنہ تو کسی طرح ان کی گرفت سے نکل گئے، مگر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ ان کے پنجۂ ستم میں گرفتار ہو گئے۔ ظالموں نے کجاوے کے تسموں سے ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور ان کو مارتے پیٹتے اور سر کے بال پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مکہ لائے اب

جو کوئی آتا ان کو زدو کوب کرتا اور ان کے سر کے بال پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیتا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ "میں جب مکے میں قریش کا ہدف ستم بنا ہوا تھا، ایک گورا چٹا، روشن چہرے والا وجیہہ شخص مجھے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ (یہ شخص سہیل بن عمرو، تھے جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے) میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر مجھے کسی شخص سے شریفانہ سلوک کی امید ہو سکتی ہے تو وہ یہی شخص ہو گا، لیکن جب وہ میرے قریب آیا تو اس نے اس زور سے میرے منہ پر تھپڑ (گھونسا) مارا کہ میرا منہ پھر گیا۔

میں اسی طرح پٹ رہا تھا کہ اتنے میں ایک اور شخص آیا (یہ ابو البختری بن ہشام تھا) اس نے مجھ سے کہا، "ارے بھائی اس طرح کب تک مار کھاتے رہو گے، کیا مکہ میں تمہاری کسی سے شناسائی نہیں ہے؟" میں نے کہا، "ہاں میں حارث بن امیہ (بن عبد شمس بن عبد مناف) اور جبیر بن مطعم بن عدی کو جانتا ہوں۔ یہ دونوں تجارت کے سلسلے میں ہمارے شہر میں آتے جاتے رہتے ہیں، میں نے بارہا ان کے تجارتی قافلوں کی حفاظت کی ہے۔ اس نے کہا تو پھر ان دونوں کا نام لے کر دہائی دو اور لوگوں کو بتاؤ کہ تمہارے اور ان کے درمیان کیا تعلق ہے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اُدھر وہ شخص شہر گیا اور ان دونوں کو حرم کعبہ میں موجود پا کر کہا، خزرج کا ایک آدمی ابطح میں اہل مکہ کے ہاتھوں بُری طرح پٹ رہا ہے اور وہ تم دونوں کے نام کی دُہائی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس کے اور تمہارے درمیان جوار (پناہ) کا تعلق ہے۔ انہوں نے نے پوچھا، وہ اپنا نام کیا بتاتا ہے؟ اس نے کہا، سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اُنھوں نے کہا، غضب ہو گیا۔ یہ سعد تو قبیلہ خزرج کا رئیس اعظم ہے اور خدا کی قسم جو کچھ وہ کہہ رہا ہے بالکل سچ ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیں پناہ دیتا رہا ہے اور اس نے کبھی کسی کو ہم پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر وہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھے ان ظالموں کے پنجے سے نجات دلائی"۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہائی پا کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں اپنے انصاری بھائی واپس مکہ کی جانب آتے ملے، وہ انہی کی تلاش میں آ رہے تھے اب

انہیں ساتھ لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

دانت کے بدلے دانت

غزوہ اُحد سے کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے کہ ایک دن بارگاہِ رسالت ﷺ میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ایک انصاری خاتون رُبیع کے ہاتھ سے انصار ہی کی ایک لڑکی کا دانت ٹوٹ گیا تھا، اس لڑکی کے ورثاء قصاص کا مطالبہ لے کر بارگاہ نبوی ﷺ میں پیش ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے سارے حالات سُن کر فیصلہ صادر فرمایا کہ "دانت کے بدلے دانت۔ رُبیع کا دانت توڑا جائے گا"۔

اس خاتون کے بھائی وہاں موجود تھے ان کو اپنی بہن سے بے پناہ محبت تھی۔ اگرچہ وہ ایک سچے مسلمان اور سرورِ عالم ﷺ کے عاشقِ صادق تھے لیکن بہن کی محبت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر بے اختیار ان کی زبان سے نکل گیا:

"یارسول اللہ ﷺ، خدا کی قسم، رُبیع کا دانت نہ توڑا جائے گا"۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "بھائی اللہ کا یہی حکم ہے۔ ہاں لڑکی کے ورثاء دیت لے کر اپنے مطالبے سے دست بردار ہو جائیں تو دوسری بات ہے"۔

اس وقت رحمتِ خداوندی عزوجل جوش میں آئی اور لڑکی کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو گئے۔ اس طرح ان صاحب رسول ﷺ کی پیاری بہن کا دانت بچ گیا۔ رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ عزوجل کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جب قسم کھا بیٹھتے ہیں تو اللہ عزوجل ان کی قسم پوری کر دیتا ہے"۔

یہ صاحبِ رسول جن کی قسم کی لاج ربِ ذُوالجلال والاکرام نے رکھی اور محبوب رب العالمین ﷺ نے جن کے خاصانِ خدا میں سے ہونے کی تصدیق فرمائی، سیدنا حضرت انس بن نضر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

جنّت کی خوشبو آرہی ہے

شوال ۳ھ ہجری میں غزوہ اُحد پیش آیا تو حضرتِ انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور صرف چند آدمی سرورِ عالم ﷺ کے ساتھ میدان میں باقی رہ گئے تو حضرتِ انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت بیتاب ہو کر کفار کی طرف بڑھے۔ راستے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے، ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں جاتے ہو، جنّت وہ ہے، خدا کی قسم مجھے اُحد کی طرف سے جنّت کی خوشبو آرہی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ کی شہادت کی افواہ سن کر چند صحابہ علیہم الرضوان صدمے کے عالم میں لڑائی چھوڑ کر الگ جا بیٹھے تھے، حضرتِ انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو پوچھا کہ تم لوگ لڑائی چھوڑ کر یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا، افسوس کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے، تو پھر تم لوگ زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور کافروں سے لڑ کر مر جاؤ جس طرح حق کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے جان دی۔ یہ کہہ کر بڑے جوش سے تلوار چلاتے ہوئے کفار کے ہجوم میں گھس گئے اور دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ بالآخر مشرکین نے نرغہ کر کے ان پر تیروں، تلواروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اگرچہ ان کا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا لیکن کفار کی آتشِ غضب اس سے بھی نہ تھمی اور انہوں نے لاش کا مثلہ کیا۔ لڑائی ختم ہونے پر شہداء اور زخمیوں کی تلاش شروع ہوئی تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش پہچانی نہ جاتی تھی۔ بڑی مشکل سے ان کی بہن رُبیع بنتِ نضر نے ان کی ایک انگلی سے لاش شناخت کی، کہا جاتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگلی پر ایک تل تھا جسے دیکھ کر حضرت رُبیع نے پہچانا۔ بعض روایتوں میں بھی آیا ہے کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوبصورت دانتوں یا انگلیوں کی پوروں سے لاش شناخت کی۔ یہ

صورت اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راہِ حق میں اس شان سے جان دی کہ جسم کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہ تھا۔ خالق کون و مکان کو ان کی یہ ادا ایسی بھائی کہ بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ ﷺ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

ترجمہ: مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنھوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ عزوجل سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔ (کنزالایمان) سورہ احزاب

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تیر گلے میں پیوست ہو گیا

رمضان المبارک ۲ ہجری میں رحمتِ عالم ﷺ تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ہمراہ غزوہ بدر الکبریٰ کے لئے تشریف لے گئے۔ اللہ کے ان پاکباز بندوں میں حضرتِ حارثہ بن سراقہ بھی شامل تھے۔ یہ مٹھی بھر جماعت محض اللہ عزوجل کے بھروسے پر کفر کی مہیب طاغوتی طاقت سے ٹکرانے نکلی تھی۔ اس کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ سارے لشکر کے پاس لے دے کے صرف دو (۲) گھوڑے اور ستر (۷۰) اونٹ تھے۔ ان دو (۲) گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے کے سوار حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضور ﷺ نے ان کو لشکر کی نگہبانی کا فرض سونپا تھا۔ وہ میدانِ کارزار میں لب حوض پانی پینے کے لئے کھڑے تھے کہ ایک مشرک حبان بن العرقہ نے تاک کر ایک تیر ان کی طرف چلایا جو ان کے گلے میں پیوست ہو گیا اور اسی کے صدمہ سے ان کی روح مطہر جنت الفردوس کو پرواز

کر گئی۔

خوشی ذرہ خورشید و لے شعلہ مشتعل بود

بیٹے کی شہادت پر صبر

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو حضرت رُبیع رضی اللہ عنہا کو اپنے سعادت مند فرزند کی دائمی جدائی کا شدید صدمہ ہوا لیکن انہوں نے کمال درجے کے صبر و استقلال سے کام لیا اور فرمایا، خدا کی قسم جب تک رسول اللہ ﷺ تشریف نہ لائیں گے اور میں آپ ﷺ سے حارثہ رضی اللہ عنہ کا حال نہ پوچھ لوں گی، ہرگز آہ و بکا اور گریہ وزاری نہ کروں
گی۔

جب سرورِ عالم ﷺ نے غزوہ بدر سے مراجعت فرمائی تو حضرت رُبیع رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یوں عرض پیرا ہوئیں:

"یارسول اللہ ﷺ حارثہ رضی اللہ عنہ میرا نہایت اطاعت گزار اور محبوب فرزند تھا۔ اس کی جدائی کا جس قدر صدمہ میرے دل پر ہے اس کو آپ ﷺ خوب جانتے ہیں۔ میں نے چاہا تھا کہ اس کے غم میں گریہ زاری کروں پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ایسا نہ کروں گی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پوچھ نہ لوں کہ حارثہ رضی اللہ عنہ اب کس حال میں ہے۔ اگر وہ جنت میں ہے تو ہرگز گریہ وزازی نہ کروں گی اور صبر کروں گی اور اگر وہ جہنم میں ہے تو اللہ عزوجل دیکھے گا کہ میں بین و بکا سے کس طرح اپنی جان کو ہلکان کرتی ہوں"۔

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "یہ تم کیا کہہ رہی ہو، جنت ایک نہیں بلکہ بہشت ہیں۔ ان میں سے ایک جنت الفردوس ہے اور بے شک حارثہ رضی اللہ عنہ اسی جنت میں ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک سن کر حضرت ربیع رضی اللہ عنہا شاداں و فرحاں ہو گئیں اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا: "بخٍ بخٍ یا حارثۃ" (واہ واہ اے حارثہ) اس کے بعد انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ اب میں کبھی حارثہ رضی اللہ عنہ کے لئے نہیں روؤں گی"۔

دس مبلغین کا قافلہ

صفر ۴ ہجری میں "رجیع" کا دردناک سانحہ پیش آیا۔ اس سانحہ کا پس منظر کیا تھا؟ اس کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد ہو ہذیل کے سردار سفیان بن خالد نے ایک ذلیل سازش تیار کی۔ اس نے چند آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجے جنہوں نے سفیان کی ہدایت کے مطابق حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ چند مسلمانوں کو بھیجیے جو ہمارے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور چند مُبلغین اسلام ان کے ساتھ کر دیئے۔ دوسری روایت ہے کہ طلحہ بن ابی طلحہ مقتولِ اُحد کی بیوی اور مسافع اور حارث مقتولانِ اُحد کی ماں سلافہ بنت سعد نے سفیان بن خالد ہذلی کو ترغیب دی کہ وہ کسی حیلہ سے مدینہ منورہ جا کر چند مسلمانوں کو اپنے ساتھ لائے۔ ان میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح بھی ہو تاکہ وہ اس کو قتل کر کے اپنے شوہر اور بیٹوں کا انتقام لے سکے۔ اس کے عوض وہ سفیان کو سو اونٹ انعام دے گی۔ ساتھ ہی اس نے قسم کھائی کہ جب تک اس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہو گی وہ سر میں تیل نہ ڈالے گی اور نہ بستر پر سوئے گی۔ سفیان بن خالد نے اس کو تسلی دی کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہ ضرور کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا۔ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور چند مسلمانوں کے مہمان بن کر اسلام کی تعلیم حاصل کی، اس

کے بعد انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ اپنے چند صحابہ علیھم الرضوان کو روانہ فرمائیں تاکہ وہ ہمیں اور ہمارے دوسرے اہل قبیلہ کو اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی اور دس صحابہ کرام علیھم الرضوان پر مشتمل ایک قافلہ ان کے ساتھ کردیا (یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ دوسرے اہلِ سیر نے اس جماعت میں شامل صحابہ علیھم الرضوان کی تعداد چھ بتائی ہے)۔ اس جماعت کا سردار حضور ﷺ نے باختلاف روایت حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ یا حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ جب یہ جماعت (مکہ اور عسفان کے درمیان ہدہ سے سات کوس کے فاصلے پر) رجیع کے مقام پر پہنچی تو غداروں نے غداری کی اور اپنے قبیلوں (بنو الحسان، عضل و قارہ) میں سے ایک سو (اور ایک دوسری روایت کے مطابق دو سو) مسلح آدمیوں کو بلا لائے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنی فراستِ باطنی سے سمجھ گئے کہ ان لوگوں کی نیت نیک نہیں ہے اور یہ ہمیں قتل یا گرفتار کرنا چاہتے ہیں تاہم انہوں نے عزم واستقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ مشرکین نے پہاڑی کے گرد گھیرا ڈال لیا اور مسلمانوں سے کہا کہ نیچے اتر آؤ ہم تم کو پناہ دیتے ہیں۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا ''مسلمانو! میں کسی مشرک کی پناہ نہ لوں گا''۔ یہی بات انہوں نے مشرکین سے بھی باآواز بلند کہی اور ساتھ ہی دُعا کی، الٰہی عزوجل ہمارے حال کی خبر رسول ﷺ کو کردے۔ اس پر دشمنوں نے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مجاہدین نے بھی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور بہت سے کافروں کو قتل کیا لیکن دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ان کے تیروں کی بوچھاڑ سے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے سات رُفقاء نے جام شہادت پیا اور دو (حضرت خبیب بن عدی اور حضرت زید بن دثنہ علیھم الرضوان) کافروں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ ؎

؎ حاشیہ صفحہ ۱۳۳ پیر دبجیر

شہد کی مکھیوں نے لاش کو چھپالیا

علامہ اثیر نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ شہادت سے پہلے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بڑے خشوع و خضوع سے بارگاہ رب العزت عزوجل میں دُعا کی تھی کہ "الٰہی عزوجل میری اس طرح حفاظت کیجیو کہ نہ میں کسی مشرک کو مس کروں اور نہ کوئی مشرک مجھے چھو سکے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تمنا کو اس طرح پورا کیا کہ جب وہ شہید ہو گئے تو شہد کی مکھیوں (یا بھڑوں) کا ایک بہت بڑا غول ان کی لاش پر بھیج دیا جو کسی مشرک کو قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ بالآخر انھوں نے تھک ہار کر یہ طے کیا کہ رات کو جب مکھیاں (یا بھڑیں) چلی جائیں گی اس وقت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ لیں گے۔ خدا عزوجل کی قدرت رات کو اس قدر بارش ہوئی کہ اس کے پانی نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا جسدِ اطہر اسی سیلاب میں بہہ گیا۔ مشرکین نے اس کو ہر چند تلاش کیا لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پاکباز بندے کی بات کی لاج رکھ لی۔

سات کو قتل کر کے قتل ہوا

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ پر تشریف لے گئے (کتب سیر میں اس غزوہ کی تصریح نہیں کی گئی) حضرت جلیبب رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح عطا کی اور مالِ غنیمت آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے صحابہ علیھم الرضوان سے پوچھا: "ہمارے کون سے آدمی لاپتہ ہیں؟"

صحابہ [illegible] چند آدمیوں کے نام بتائے۔ حضور ﷺ نے دوبارہ اور [illegible] سوال کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کا نام لے دیتے، حضرت جلیبب

رضی اللہ عنہ کی طرف کسی کا خیال ہی نہ گیا۔ اب حضور ﷺ نے فرمایا "مجھے حضرت جلیب رضی اللہ عنہ نظر نہیں آتا"۔

صحابہ کرام علیھم الرضوان ارشادِ نبوی ﷺ سُن کر چونک پڑے اور اسی وقت حضرت جلیب رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ سات مُشرک مقتول پڑے ہیں اور قریب ہی حضرت جلیب رضی اللہ عنہ بھی خاک و خون میں آغشتہ پڑے ہیں۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ خود وہاں تشریف لائے۔ یہ عجیب منظر دیکھ کر طبع مبارک بہت متاثر ہوئی۔ حضرت جلیب رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:

"قَتَلَ سَبْعَةً ثُمَّ قَتَلُوْهُ هٰذَا مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْهُ! هٰذَا مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْهُ"۔

"سات کو قتل کر کے قتل ہوا، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"۔

صحیح مُسلم میں ہے کہ اس کے بعد سید المرسلین ﷺ نے حضرت جلیب رضی اللہ عنہ کے جسدِ اطہر کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور قبر کھدوا کر اپنے دستِ مبارک سے ان کی تدفین فرمائی اور غسل نہیں دیا۔

جس شہید راہِ حق کے لئے رحمتِ دو عالم شاہ جن و انس، سید کونین ﷺ نے بتکرار فرمایا ہو کہ "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں" اور پھر جس کے جسد خاکی کو ساقی کوثر ﷺ نے اپنے مقدس ہاتھوں پر اٹھا کر جائے شہادت سے آغوشِ لحد تک پہنچایا ہو۔ اس کے عُلوِ مرتبت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

باپ کا سر کاٹ دینے کی آرزو

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا بھوئی ابو عامر اگرچہ ایک زاہد مرتاض تھا اور اس نے حق کی تلاش میں گوشہ عزلت اختیار کر لیا تھا۔ لیکن جب خورشید اسلام فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور مدینہ منورہ کے در و دیوار سید المرسلین ﷺ کی طلعتِ اقدس سے جگمگائے تو ابو عامر کی عقل پر پتھر پڑ گئے اور اس نے اسلام اور داعئ اسلام ﷺ کی دشمنی کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لیا۔ خدا کی شان اسی ابو عامر کے فرزند کو اللہ تعالیٰ نے نُورِ بصیرت عطا کیا۔ اس نے کسی تامل کے بغیر دعوتِ حق پر لبیک کہا اور رحمتِ عالم ﷺ کے جاں نثاروں میں شامل ہو گیا۔ جب اس کے باپ کی اسلام دشمنی اور شر انگیزی انتہاء کو پہنچ گئی تو اس کی غیرت ایمانی کو تاب ضبط نہ رہی۔ ایک دن بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو تو اپنے باپ کا سر اتار لاؤں"۔

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: "نہیں، ہم ان سے بُرا سلوک نہیں کریں گے"۔

ابی عامر کے یہ سعادت مند فرزند جو اللہ عزوجل اور اللہ عزوجل کے رسول ﷺ کی خاطر اپنے دشمن حق باپ کا قصہ پاک کرنے پر تیار ہو گئے تھے، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ تھے جو تاریخ میں تقی اور "غسیل الملائکہ" کے القاب سے مشہور ہیں۔

ایک دن کا دُولھا

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نہایت مخلص مسلمان تھے اور بارگاہ رسالت ﷺ سے "تقی" کا خطاب پایا تھا۔ غزوہ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ غزوہ اُحد کے دن بیوی کے پاس خلوت میں تھے کہ منادی کی آواز سنی جو مسلمانوں کو جہاد کے لئے پکار رہا تھا۔ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ غسل کا خیال ہی نہ رہا اور مسلح ہو کر میدان جنگ میں جا پہنچے۔

اس وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ جاتے ہی اُن کا سامنا ابو سفیان سپہ سالار قریش سے ہو گیا۔ انہوں نے ابو سفیان کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور ان کو اپنی تلوار کی زد میں لے لیا کہ شداد بن اسود لیثی نے آگے بڑھ کر حنظلہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ شہید ہو کر فرش خاک پر گر پڑے۔

لڑائی کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے میدانِ جنگ کی طرف نظر کر کے فرمایا: "حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں"۔

حضرت ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کا ارشاد سن کر حنظلہ رضی اللہ عنہ کی نعش کے قریب گیا تو دیکھا کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے اسی دن سے وہ "غسیل الملائکہ" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

موت کی طرف سبقت

صفر ۴ ہجری میں ابو براء عامر بن مالک نجدی کی درخواست پر حضور ﷺ نے ستر مُبلّغین پر مشتمل ایک جماعت تبلیغ حق کے لئے نجد روانہ فرمائی۔ یہ ستر اصحاب علیھم الرضوان نہایت عبادت گزار، متقی اور قرآن وحدیث کے عالم تھے اور قُراء کے لقب سے مشہور تھے۔ حضور ﷺ نے اس جماعت کا سردار حضرت مُنذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ جب یہ اصحاب بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو اہل نجد نے غداری کی اور رعل، ذکوان، بنی سلیم وغیرہ قبائل کے لوگوں نے انھیں گھیر لیا اور حضرت مُنذر بن عمرو رضی اللہ عنہ اور عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کے سوا سب کو شہید کر ڈالا۔ بنی عامر کے سردار عامر بن طفیل نے حضرت مُنذر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اگر تم چاہو تو تم کو امان دی جا سکتی ہے۔ انہوں نے فرمایا ذرا وہ جگہ مجھے بتا دو۔ جہاں حرام بن ملحان کو تم لوگوں نے شہید کیا۔ مشرکین انہیں وہاں لے گئے تو انہوں نے اپنی تلوار نکال لی اور عامر بن طفیل سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ مجھے تمہاری امان کی ہرگز نہ ضرورت نہیں، تم نے میرے بھائیوں کو ناحق شہید کیا، میں ان کے بغیر جی کر کیا

کروں گا۔ پھر تلوار چلاتے ہوئے مشرکین کے درمیان گھس گئے اور دو کو قتل کر کے خود رتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے (جنہیں عامر بن طفیل نے اپنی ماں کی ایک منت پوری کرنے کے لئے رہا کر دیا تھا)۔ جب مدینہ جا کر یہ خبر حضور ﷺ کو سنائی تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ حضرت مُنذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ شہادت سن کر آپ ﷺ نے فرمایا "اعنق لیومت" یعنی اس نے موت کی طرف سبقت کی۔ اس وقت سے حضرت منذر رضی اللہ عنہ کا لقب "اعنق لیموت"، یا "المعنق للموت" مشہور ہو گیا۔ یہ لقب گویا اس بات کی علامت ہے کہ حضرت مُنذر بن عمرو رضی اللہ عنہ نے راہِ حق میں آگے بڑھ کر موت کو گلے لگا لیا۔

بغیر نماز پڑھے جنّتی!

غزوہ اُحُد (شوال ۳ ہجری) میں سرورِ عالم ﷺ اپنے جان نثاروں کے ہمراہ میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے تو اس وقت عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ محلہ مردوں سے خالی ہے۔ گھر جا کر عورتوں سے پوچھا، ہمارے خاندان کے لوگ کہاں گئے؟ جواب ملا۔ "رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اُحُد گئے ہیں"۔

یہ سن کر طبعیت میں حق و صداقت کا جوش پیدا ہوا۔ اسی وقت زرہ پہنی، خود سر پر رکھا، ہتھیار جسم پر سجائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی لڑائی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ عمرو رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! معرکہ کارزار گرم ہوا چاہتا ہے۔ یہ فرمایئے کہ پہلے اسلام قبول کروں یا ویسے ہی آپ کی حمایت میں لڑوں"۔

حضور ﷺ نے فرمایا "دونوں کام کرو، پہلے اسلام قبول کر لو اور پھر راہ خدا عزوجل میں لڑو"۔

عرض کیا "اے اللہ عزوجل کے رسول ﷺ، میں نے ایک رکعت نماز بھی

نہیں پڑھی، اگر لڑائی میں کام آگیا تو کیا میری مغفرت ہو جائے گی؟

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں اسلام لانے سے پہلے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے"۔

یہ سن کر اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

لڑائی شروع ہوئی تو وہ بھی شمشیر بکف میدانِ رزم میں پہنچے۔ بنو عبدالاشہل ان کی سخت دلی سے واقف تھے اور ان کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے سعادت اندوز اسلام ہو چکے ہیں۔ عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنی صفوں میں دیکھ کر برافروختہ ہوئے۔ اور ان سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ، اُصیرم آبدیدہ ہو گئے اور کہا کہ میں بھی مسلمان ہوں۔

اس کے بعد تلوار چلاتے ہوئے مردانہ وار کفار کی صفوں میں گھس گئے اور ایسی جرأت و جلالت کے ساتھ لڑے کے کفار کا منہ پھیر دیا۔ آخر بہت سے مشرکوں نے زغہ کر کے سخت زخمی کر دیا اور وہ بے تاب و تواں ہو کر زمین پر گر گئے۔ لڑائی کے بعد بنو عبدالاشہل کے لوگ اپنے شہداء اور زخمیوں کو اٹھانے لگے تو ان پر بھی نظر پڑی ابھی کچھ سانس باقی تھا، پوچھا، "کیا تمہیں قومی حمیت یہاں کھینچ لائی؟"

بولے: "نہیں میں مسلمان ہو کر اللہ عزوجل اور اللہ عزوجل کے رسول ﷺ کے لئے لڑا"۔

اسی حالت میں اُٹھا کر گھر لائے۔ تمام بنو عبدالاشہل میں یہ خبر مشہور ہو گئی۔ سید الاوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس موقع پر الاصیرم کی سعادت اندوزی ایمان پر مسرت خیز حیرت ہوئی۔ فوراً ان کے گھر تشریف لائے اور الاصیرم کی ہمشیرہ سے سارا واقعہ سنا۔ اسی اثناء میں الاصیرم نے آخری ہچکی لی اور روضہ رضوان کی راہ لی۔ سرورِ عالم ﷺ نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا

اِنَّہٗ لَمِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ بیشک وہ اہل جنت میں سے ہے۔

ایک اور روایت میں آپ سے یہ الفاظ منسوب ہیں

عَمِلَ قَلِیْلًا وَ اُجِرَ کَثِیْرًا اس نے عمل تھوڑا کیا مگر اجر بہت پایا۔

حضرت الاصیرم عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو عبد الاشہل پہلے ہی کچھ کم معزز نہیں تھا اس واقعہ نے اس کے طرہ امتیاز کو اور اونچا کر دیا۔ بنو عبد الاشہل الاصیرم پر فخر کیا کرتے تھے کہ انہوں نے ایک سجدہ بھی نہ کیا لیکن جنت میں داخل ہو گئے۔

باپ بیٹے میں انوکھی تکرار

رحمت دو عالم ﷺ غزوہ بدر کے لیے مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو مدینہ کے ایک گھر میں چشم فلک نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ حق کے پرستار ایک بوڑھے باپ اور ایک جوان بیٹے کے درمیان تکرار ہو رہی تھی۔ باپ بیٹے سے کہہ رہے تھے "بیٹا گھر میں ہم دونوں کے سوا کوئی مرد نہیں اس لیے مناسب یہی ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک یہیں رہے اور دوسرا جہاد میں شریک ہو، تم جوان ہو اور گھر کی دیکھ بھال بہتر طور پر کر سکتے ہو اس لیے تم یہاں رہو اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جانے دو۔" اس کے جواب میں سعادت مند فرزند والد گرامی سے کہہ رہے تھے، "ابا جان! اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو مجھے گھر پر رہنے میں کوئی عذر نہ تھا، مجھے اللہ عزوجل نے اتنی قدرت دی ہے کہ حضور ﷺ کی ہمرکابی کا حق ادا کر سکوں۔ اس لیے آپ یہاں رہیے اور مجھے جہاد پر جانے کی اجازت دیجئے شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کا شرف بخشے۔"

بڑی ردو قدح کے بعد باپ نے فیصلہ دیا کہ قرعہ ڈالتے ہیں جس کا نام آئے وہ لڑائی پر جائے اور دوسرا گھر پر رہے۔ بیٹے نے باپ کے حکم کے سامنے سر خم کر دیا۔ قرعہ ڈالا گیا تو بیٹے کا نام نکلا۔ ان کو اس قدر مسرت ہوئی کہ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ جذبہ شہادت سے سرشار اس فرزند صالح کا نام سعد رضی اللہ عنہ تھا اور والد بزرگوار کا نام خیثمہ رضی اللہ عنہ تھا۔

[illegible] ان کے [illegible] نہایت ذوق و شوق سے حضور ﷺ کی ہمرکابی میں بدر

پہنچے اور کفار کے خلاف بڑی بے جگری سے لڑے۔ ہنگامہ کارزار میں دشمن کا ایک سوار ان پر حملہ آور ہوا۔ وہ اگرچہ پیدل تھے لیکن نہایت پامردی سے حملہ آوار سے نبرد آزما ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی مدد کے لیے بڑھے لیکن اس اثناء میں دشمن سوار کا وار کارگر ہو چکا تھا اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جام شہادت پی کر ابدی زندگی حاصل کر چکے تھے۔ بعض روایتوں میں ان کے قاتل کا نام طعیمہ بن عدی اور بعض میں عمرو بن عبدوّد آیا ہے۔ اولاد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ شہادت کے وقت ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اور بقول بعض انہوں نے عبداللہ نامی ایک کمسن فرزند اپنے پیچھے چھوڑا۔

موت جنّت کی کنجی

مولانا روم نے مثنوی میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جوانی میں ہمیشہ زرہ پہن کر لڑا کرتے تھے لیکن بعد شباب سعادت اندوز اسلام ہوئے تو زرہ پہننا بالکل ترک کر دیا اور لڑائیوں میں اس طرح شریک ہونے لگے کہ سینہ سامنے سے کھلا ہوتا اور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہے ہوتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے عمِّ رسول، اے صف شکن مجاہد، اے جوانمردوں کے سردار کیا آپ نے اللہ عزوجل کا حکم نہیں سنا کہ جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ پڑو۔ پھر آپ احتیاط سے کیوں کام نہیں لیتے۔ جب آپ جوان تھے اور مضبوط و طاقتور، اس زمانے میں آپ کبھی زرہ کے بغیر لڑائی میں شامل نہیں ہوتے تھے، اب جبکہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں تو آپ اپنی جان کی حفاظت اور احتیاط کے تقاضوں سے کیوں بے پروا ہو گئے ہیں۔ بھلا تلوار کس کا لحاظ کرتی ہے اور تیر کس کی رعایت کرتا ہے ہم کو تو یہ پسند نہیں کہ آپ جیسا شیر بیشۂ شجاعت اپنی بے احتیاطی کی بدولت دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا کہ جب میں جوان تھا تو سمجھتا تھا کہ موت انسان کو اس دنیا کے عیش و آرام سے محروم کر دیتی ہے اس لیے کیوں خواہ مخواہ موت کی جانب رغبت کروں اور اژدہے کے منہ میں جاؤں یہی وجہ تھی کہ میں اپنی جان

کی حفاظت کے لئے زرہ پہنتا تھا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اکرم ﷺ کے فیضان سے میرے خیالات بدل گئے۔ اب مجھ کو اس دنیائے فانی سے مطلق کوئی لگاؤ نہیں رہا اور موت مجھ کو جنت کی کنجی معلوم ہوتی ہے۔ زرہ تو وہ پہنے جس کے لیے موت کوئی دہشت ناک چیز ہو۔ جس کو تم موت کہتے ہو وہ میرے لیے ابدی زندگی ہے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت

سید الشہدا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ دو دستی (دونوں ہاتھوں سے) تلوار چلاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے، میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کا شیر ہوں۔ اسی حالت میں مکہ کا ایک سربر آوردہ مشرک سباع بن عبدالعزیٰ ان کے سامنے آگیا۔ حضرت حمزہ نے اس سے مخاطب ہو کر غضب آلود لہجے میں فرمایا۔ "او خَتَّانَۃُ النِّسَاء" (عورتوں کا ختنہ کرنے والی) اُمّ انمار کے بچے کیا تو خدا اور خدا کے رسول ﷺ سے لڑنے آیا ہے؟" یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ کٹ کر وہیں گر پڑا۔ ادھر حضرت حمزہ اسی طرح لاشوں پر لاشیں گراتے جا رہے تھے ادھر جبیر بن مطعم کا حبشی غلام وحشی ایک چٹان کے پیچھے گھات لگائے یہ انتظار کر رہا تھا کہ کب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی زد میں آئیں اور وہ اپنا ہتھیار ان پر پھینکے۔ وحشی کو جبیر بن مطعم نے اپنے چچا طعیمہ بن عدی (مقتول بدر) کا انتقام لینے کے لیے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر مامور کیا تھا اس کام کے عوض اس کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اتفاق سے وحشی کو جلد ہی وار کرنے کا موقع مل گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دلیرانہ آگے بڑھ رہے تھے کہ یکایک ان کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑے۔ اسی وقت وحشی نے تاک کر اپنا چھوٹا سا بھالا ان پر پھینکا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر شدید زخمی ہونے کے باوجود اٹھ کر اس پر حملہ کرنا چاہا مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور ان کی روح مطہر عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مشرکین کو کمال درجے کی

مسرت ہوئی اور ان کی عورتوں نے خوشی کے ترانے گائے۔

کلیجہ چبا ڈالا!

ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابو سفیان) نے اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک سے کان ناک ہونٹ (اور بروایت دیگر پوشیدہ اعضاء بھی) کاٹ لیے۔ اس کے بعد شکم چاک کر کے جگر نکالا اور اسے چبا چبا کر نگلنے کی کوشش کی مگر نگل نہ سکی اور تھوک دیا۔ پھر ایک بلندی پر چڑھ کر بلند آواز سے چند فخریہ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ آج ہم نے بدر کی لڑائی کا بدلہ لے لیا اور وحشی نے میرا سینہ ٹھنڈا کر دیا۔ جب تک میں زندہ رہوں گی اس کا شکریہ ادا کرتی رہوں گی۔

آقا ﷺ سخت غمزدہ تھے

جنگ ختم ہوئی تو سرور کونین ﷺ اپنے محبوب چچا کی مثلہ کی ہوئی لاش پر تشریف لائے۔ اس وقت آپ سخت غمزدہ تھے۔ لاش کی حالت دیکھ کر آپ فرط الم سے بیقرار ہو گئے اور مخاطب ہو کر فرمایا۔ "تم پر خدا کی رحمت ہو کیوں کہ تم اعزہ و اقربا کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے اگر مجھے صفیہ (حضور ﷺ کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہاری لاش اسی طرح چھوڑ دیتا تاکہ اسے درندے اور پرندے کھا جائیں اور تم قیامت کے دن انہی کے پیٹ سے اٹھائے جاؤ۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ اسی موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے بشارت دی ہے کہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ساتوں آسمانوں پر اسد اللہ و اسد الرسول لکھے گئے ہیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اسد اللہ

اور سید الشہداء کے

القاب مرحمت فرمائے۔

آقا ﷺ کے چچا جان رضی اللہ عنہ کا کفن

اسی اثناء میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب لڑائی کا حال معلوم کرنے مدینہ سے نکلیں۔ حضور ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ صفیہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لاش پر آنے سے منع کیا تو بولیں،" میں نے اپنے بھائی کا ماجرا سن لیا ہے لیکن اللہ عزوجل کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔" حضور ﷺ نے اجازت دی تو لاش پر گئیں، عزیز بھائی کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھ کر آنکھوں سے سیل اشک بہہ نکلا لیکن اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے سوا زبان سے اور کچھ نہ نکلا۔ واپس جاتے وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دو چادریں دے گئیں کہ ان میں ماموں کو مکفون کر کے دفن کرنا۔ لیکن قریب ہی ایک انصاری کی لاش پڑی تھی۔ حضرت زبیر نے دونوں شہیدوں میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی۔ اس ایک چادر سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا، آخر حضور ﷺ نے فرمایا کہ چہرہ اور سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ اس طرح عم رسول کا جنازہ تیار ہوا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان رونے لگے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ تم کیوں رو رہے ہو۔ عرض کیا،" یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، آج ہم کو یہ توفیق بھی نہیں کہ آپ کے چچا کا سارا بدن کپڑے سے ڈھانک سکیں۔" حضور نے فرمایا، وہ زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ (مسلمان) ایسے مقامات پر متصرف ہوں گے جہاں کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی چیزوں اور سواریوں کی بہتات ہو گی اور وہاں سے وہ اپنے اہل و عیال کو مدینہ سے اپنے پاس بلوا لیں گے۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم کی آندھیاں

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو چاروں طرف کفر و شرک کی ضلالت کو محیط پایا۔ ان کا آقا امیہ بن خلف حجمی بھی سخت مشرک تھا اسی کی غلامی میں انہوں نے زندگی کے اٹھائیس برس گزار دیئے، اسی اثناء میں ان کے کانوں میں دعوت توحید کی صدا پہنچی۔ یہ بعثت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا اور سرور عالم ﷺ نے بڑی رازداری کے ساتھ تبلیغ حق کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبعاً نہایت نیک نفس اور پاکباز تھے اور غالباً بعثت سے پہلے بھی وہ حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ سے متاثر ہو چکے تھے۔ چنانچہ صدائے توحید سنتے ہی انہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا اور اپنا دل و جان رسول عربی ﷺ پر نثار کر بیٹھے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ وہ ان سات سعید الفطرت ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے لوائے توحید کو تھاما۔ اس طرح ان کو "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کی مقبول الٰہی جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہو گیا۔

امیہ بن خلف کے کانوں میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کی بھنک پڑی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا:

"میں نے سنا ہے کہ تم نے کوئی اور معبود ڈھونڈ لیا ہے۔ سچ سچ بتاؤ تم کس معبود کی پرستش کرتے ہو؟"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بے دھڑک جواب دیا:

"محمد ﷺ کے خدا عزوجل کی۔"

امیہ نے آنکھیں لال پیلی کر کے کہا:

"محمد ﷺ کے خدا عزوجل کی پرستش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ تو مقدس لات و عزیٰ کا دشمن ہو گیا ہے۔ سیدھی طرح راہ راست پر آجا ورنہ ذلت کے ساتھ مارے جاؤ گے

وہ کہے جارہے ہیں کہ میں لات و عزیٰ اور ہبل اور اساف اور نائلہ اور بوانہ سب کا انکار کرتا ہوں۔

غرض حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدت مدید تک ایسے ایسے زہرہ گداز مظالم کی چکی میں پستے رہے کہ ان کا حال پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے لیکن ان کی قوت ایمان کا یہ عالم تھا کہ۔

بڑھتا تھا اور ذوق جنون ہر سزا کے بعد

ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو شدید زخمی نہ ہو چکا ہو لیکن کوئی بھی مصیبت، سختی اور اذیت ان کے قصر ایمان کے کنگوروں کو ذرہ برابر جنبش نہ دے سکی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آزادی

اتفاق سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کا گھر بنو جمح کے محلے ہی میں تھا وہ آتے جاتے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نت نئے مظالم و شدائد کا نشانہ بنتے دیکھتے تو بے تاب ہو جاتے اور سوچنے لگتے کہ اس مظلوم کو مشرکین کے پنجہ ستم سے کیسے چھڑایا جائے۔ ایک دن ان کا پیمانہ صبر بالکل لبریز ہو گیا، امیہ کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے کہا:

" اے امیہ اس بے گناہ اور بیکس غلام پر اتنا ظلم نہ کرو تمہارا اس میں کیا نقصان ہے کہ وہ خدائے واحد عزوجل کی عبادت کرتا ہے::

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے تنگ آکر امیہ نے کہا:

"ابن ابی قحافہ تم اس غلام کے اتنے ہمدرد ہو تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے؟"

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جھٹ فرمایا۔ "بولو کیا لو گے۔"

امیہ نے کہا۔ "تم اپنا غلام فسطاس رومی مجھے دے دو اور اسے لے جاؤ۔"

فسطاس بڑا کارگزار غلام تھا اور اہل مکہ کے نزدیک اس کی بہت زیادہ قیمت تھی۔

امیہ کا خیال تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کو دینے پر کبھی رضامند نہ ہوں گے۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فوراً بولے :۔ "مجھے منظور ہے۔"

امیہ حیران رہ گیا، ڈھٹائی سے بولا :

"فسطاس کے ساتھ چالیس اوقیہ چاندی بھی لوں گا۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس پر بھی رضامند ہو گئے۔

امیہ نے بزعم خود بڑے نفع کا سودا کیا۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، بلال کو ساتھ لے کر چلنے لگے تو ہنس کر کہنے لگا :

"ابن ابی قحافہ تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس غلام کو درم کے چھٹے حصے کے عوض بھی نہ خریدتا۔"

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اکبر نے فرمایا :

"امیہ تو اس غلام کی قدر و قیمت سے واقف نہیں مجھ سے پوچھو تو یمن کی بادشاہی بھی اس کی قیمت میں ہیچ ہے۔"

یہ کہہ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور ساتھ لے کر بارگاہ رسالت ﷺ میں پہنچے، سارا واقعہ حضور ﷺ کو سنایا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا :

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کار خیر میں مجھے بھی شریک کر لو۔"

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسے آزاد کر دیا۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھاری رقم دے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا اور پھر اللہ کی رضا جوئی کے لیے آزاد کر دیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے خیر کی۔

مشرکین کے پنجہ ستم سے رہائی پانے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو ہمہ تن رحمت عالم ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ دکھ ہو یا سکھ، سفر ہو یا حضر،

وعظ و تبلیغ کی مجالس ہوں یا جنگ کا میدان، وہ ہمیشہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

دمشق کی حکمرانی قربان کر دی

اسی زمانے میں سپہ سالار اسلام حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا لیکن ان کے دل میں شوق جہاد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ انہوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ تو جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں لہذا یہ خط پہنچتے ہی میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجئے۔ پھر دمشق کی امارت سے استعفا دے کر میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ جب تک شام مکمل طور پر فتح نہ ہو گیا وہ برابر جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہے۔ فتح شام کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آکر گوشہ نشین ہو گئے۔

مسجد نبوی ﷺ میں کیسے جاؤں؟

غزوہ خیبر ۷ ہجری کے کچھ عرصے بعد کا ذکر ہے ایک دن مشہور صحابیہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا بنت عبداللہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور اپنی ضروریات بیان کر کے آپ سے کچھ مانگا۔ حضور ﷺ کا سحاب جود و سخا ہر حاجت مند پر جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا، لیکن اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو دینے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔ آپ نے معذرت فرمائی، لیکن حضرت شفاء رضی اللہ عنہا برابر اصرار کرتی رہیں۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا اور حضور ﷺ مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا بارگاہ نبوی ﷺ سے اٹھ کر اپنی بیٹی کے گھر چلی گئیں جو قریب ہی تھا۔ وہاں دیکھا کہ ان کے داماد گھر میں بیٹھے ہیں اور نماز کے لیے مسجد نہیں گئے۔ کسی صاحب رسول کا اذان کی آواز سن کر نماز کے لیے مسجد نہ جانا بڑی عجیب، بلکہ افسوسناک بات تھی۔ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نے داماد کو ملامت کی کہ نماز

کا وقت ہو گیا اور تو گھر میں بیٹھا ہے۔ انہوں نے عرض کی :

"خالہ جان، مجھے ملامت نہ کیجئے، میرے پاس ایک ہی پرانی قمیص تھی جسے میں نے پیوند لگا رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے وہ مجھ سے عاریتاً لے لی، کیونکہ آپ ﷺ کے پاس پہننے کے لائق کوئی کپڑا نہ تھا۔ اب مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کہ ننگے بدن (صرف تہمد کے ساتھ) مسجد جاؤں اور لوگوں کو بتاتا پھروں کہ حضور ﷺ نے میری قمیص عاریتاً لے لی ہے۔"

داماد کا جواب سن کر حضرت شِفاء رضی اللہ عنہا بہت پشیمان ہوئیں اور بولیں :

"میرے ماں باپ رسول اللہ ﷺ پر قربان جائیں، مجھے کیا معلوم تھا کہ حضور ﷺ کا یہ حال ہے، میں تو صبح سے آپ سے کسی چیز کے لیے اصرار کر رہی تھی اور آپ ﷺ عذر فرما رہے تھے۔"

سب سے پہلی اجتماع گاہ

حضرت شُرحبیل رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خاندان نے ۱ بعد بعثت کے درمیان کسی وقت اسلام قبول کیا۔ یہ وہ دور تھا جب سرورِ عالم ﷺ نے علانیہ تبلیغ حق کا آغاز نہیں کیا تھا اور نہایت رازداری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا فرماتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تو مسلمان اپنی قوم اور قبیلے سے مخفی مکہ کی سنسان گھاٹیوں میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ مشرکین کو ان کے تبدیلی دین کا علم نہ ہو سکے۔ چھپ چھپ کر عبادت کرنے والے ان سابقین اسلام میں حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ۳ ہجری بعد بعثت میں ایک مرتبہ مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں مصروف نماز تھے کہ مشرکین کی ایک ٹولی وہاں پہنچ گئی۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ایک نئے طریقے سے عبادت کرتے دیکھ کر بھڑک اٹھے اور یکبارگی نمازیوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ انھیں جوش آ گیا اور پاس پڑی ہوئی اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کو دے ماری

جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ دوسرے مسلمان بھی مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ مشرکین نے ان کے تیور دیکھے، تو ٹھنڈے پڑ گئے اور اپنے زخمی ساتھی کو ہمراہ لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضور ﷺ کو اس واقعے کا علم ہوا، تو آپ نے حضرت ارقم بن ابی الارقم مخزومی رضی اللہ عنہ کے مکان کو جو صفا کے قریب واقع تھا، مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا۔ حضور ﷺ خود بھی وہاں تشریف فرما رہتے اور اہل حق بھی (بشمول حضرت شرجلیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ) آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دار ارقم ہی میں نماز ادا کرتے۔

۴ ہجری بعد بعثت کے اوائل میں سرور عالم ﷺ نے علانیہ دعوت حق کا آغاز فرمایا، تو مشرکین کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

منے کا ہاتھ اتر گیا!

ہجرت نبوی سے سال سوا سال پہلے (۱۲ ہجری بعد بعثت) میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کفار کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کا قصد کیا۔ اس وقت ان کے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا۔ اس پر انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے ننھے بچے سلمہ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیدل چل پڑے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنو مغیرہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اونٹ کو گھیر لیا اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم جا سکتے ہو لیکن ہماری لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ یہ کہہ کر انہوں نے اونٹ کی نکیل ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھین لی اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان کے لوگ (بنو عبد الاسد) آ پہنچے۔ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان کا بچہ چھین لیا اور بنو مغیرہ سے کہا، تم نے اپنی لڑکی کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو ہم اپنے لڑکے سلمہ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑیں۔ اس چھینا جھپٹی میں ننھے سلمہ کا ہاتھ اتر گیا۔ (علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ سلمہ کا یہ ہاتھ مرتے

دم تک ٹھیک نہ ہوں)

یہ ایک دردناک منظر تھا لیکن ابو سلمہ رضی اللہ عنہ دل پر پتھر رکھ کر بیوی بچے کے بغیر تن تنہا مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنو مغیرہ کے پاس اور بچہ بنو عبدالاسد کے پاس تھے گویا دین حق کی خاطر تینوں باپ بیٹا اور بیوی جدائی کی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو شوہر اور بچے کی جدائی کا فطری طور پر بہت صدمہ تھا۔ وہ روزانہ صبح کے وقت گھر سے نکلتیں اور سارا دن ایک ٹیلے پر (ابطح میں) بیٹھ کر گریہ وزاری کرتی رہتیں۔ پورا ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ ایک دن بنو مغیرہ کے ایک رحم دل اور صاحب اثر آدمی نے انہیں اس حال میں دیکھا تو اس کا دل پسیج گیا اس نے اپنے قبیلے کو جمع کیا اور ان سے کہا:

"یہ لڑکی ہمارا ہی خون ہے ہم کب تک اس مسکین کو اس کے شوہر اور بچے سے جدا رکھیں گے۔ اے بنی مغیرہ ہمارا قبیلہ بڑا شریف اور شجاع ہے اور ظلم کو دوست نہیں رکھتا۔"

اس کی تقریر سن کر دوسرے لوگوں کو بھی رحم آگیا اور انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا سکتی ہیں۔ جب بنو عبدالاسد نے یہ واقعہ سنا تو انہیں بھی ترس آگیا اور انہوں نے سلمہ کو اپنی ماں کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بچے کو گود میں لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں تنعیم کے مقام پر انہیں ایک شریف النفس آدمی عثمان بن طلحہ ملے انہوں نے جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ننھے بچے کے ہمراہ تن تنہا سفر کرتے دیکھا تو دل میں آیا "اے عثمان یہ مردانگی سے بعید ہے کہ مکہ کی ایک بیٹی یوں تن تنہا سفر کرے اور تو اس کی مدد نہ کرے"۔ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور کشاں کشاں مدینہ کی طرف چل پڑے۔ جب کہیں پڑاؤ ہوتا تو وہ کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے اور چلنے کے وقت اونٹ تیار کر کے لے آتے۔ غرض یونہی چلتے چلاتے قباء پہنچ گئے۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وہیں مقیم تھے وہ اپنی نیک سیرت بیوی اور بچے کو پا کر خدا کا شکر بجا لائے۔ عثمان بن طلحہ یہاں سے مکہ کو واپس

چلے گئے۔ (انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا)۔

شہادت کیلئے بیٹے کا اصرار

حضرت ابو خثیمہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت خثیمہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بڑے مخلص صحابی تھے۔ آنحضور ﷺ غزوہ بدر کے لیے روانہ ہونے لگے تو حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ نے فرزند سعید سے کہا کہ ہم میں سے ایک آدمی کو گھر رہنا چاہیے اس لیے تم یہیں رہو، میں حضور ﷺ کے ساتھ جاتا ہوں۔ حضرت ابو خثیمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں آپ کو ترجیح دیتا، میں خود جہاد پر جاؤں گا اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے گا۔ حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ بولے، اچھا تو پھر قرعہ ڈال لیتے ہیں۔ چنانچہ قرعہ ڈالا گیا تو یہ حضرت ابو خثیمہ رضی اللہ عنہ کے نام نکلا اب والد گرامی نے مجبور ہو کر انہیں جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت ابو خثیمہ رضی اللہ عنہ بڑے ذوق و شوق سے لڑائی میں شریک ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے طعیمہ بن عدی ایک مشرک کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

حضرت ابو خثیمہ رضی اللہ عنہ، کے والد حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ، نے غزوہ احد میں جام شہادت پیا۔

نابینا کا شوق شہادت

ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی جہاد فی سبیل اللہ عزوجل میں حصہ لینے کی بے پناہ تڑپ پیدا ہوئی، لیکن اپنی معذوری کی بناء پر لڑائی میں عملاً حصہ نہ لے سکتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو مسلمان گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ درجے میں مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہیں، تو اتفاق سے اس وقت حضرت ابن ام مکتوب رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت ﷺ میں موجود تھے۔

یہ آیت سنی تو بڑی حسرت کے ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر میں معذور نہ ہوتا تو ہرگز گھر پر نہ بیٹھتا بلکہ جہادِ فی سبیل اللہ میں مشغول ہوتا۔

ان کی حسرت بھری آرزو بارگاہِ خداوندی عزوجل میں اس قدر مقبول ہوئی کہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوگئی:

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط

ترجمہ: برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ (کنزالایمان) سورہ النساء۔ ع ۱۳

گویا اس طرح حق تعالیٰ نے حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ جیسے معذور مسلمانوں کو جہاد کے حکم سے مستثنٰی فرمادیا۔

نابینا عملدار

حافظ ابنِ حجر اور علامہ ابنِ عبدالبر نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا (معذور) ہونے کی بنا پر جہاد میں شریک ہونے کے مکلف نہیں رہے تھے، لیکن انہیں جہادِ فی سبیل اللہ کا اس قدر شوق تھا کہ بعض غزووں میں لوگوں سے علم لے کر دو صفوں کے درمیان کھڑے ہوگئے اور لڑائی ختم ہونے تک کوہ استقامت بن کر اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ ان کا یہی جذبہ فدویت تھا جس نے انہیں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت معزز و محترم بنادیا تھا۔ چنانچہ متعدد موقعوں پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے تو آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور امام نماز مقرر فرمایا۔ حافظ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم کو تیرہ مرتبہ

رحمتِ عالم ﷺ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔

نابینا شہید

علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت ابنِ اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے حافظ تھے اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں لوگوں کو قرات سکھایا کرتے تھے۔ ان کو مسجدِ نبوی ﷺ میں باجماعت نماز ادا کرنے کا بھی بے حد شوق تھا۔ گھر اگرچہ مسجدِ نبوی ﷺ سے دُور تھا، لیکن وہ پانچوں وقت بڑی مُستعدی کے ساتھ راستہ ٹٹولتے ٹٹولتے مسجد میں پہنچ جاتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ راستے میں کئی جگہ جھاڑیاں تھیں چونکہ وہ کسی ساتھی یا رہنما کے بغیر ہوتے تھے۔ اس لئے کئی بار ایسا ہوا کہ ان کے کپڑے کا دامن کسی جھاڑی میں اُلجھ گیا اور اسے چھڑانے کے لئے انہیں بڑی زحمت اٹھانی پڑی، چنانچہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی:

"یا رسول اللہ ﷺ مجھے بعض دفعہ گھر سے مسجد آنے میں بڑی دِقت ہوتی ہے کیا گھر پر نماز پڑھ لیا کروں"۔

حضور ﷺ نے پوچھا، "کیا تم اپنے گھر پر اذان اور اقامت کی آواز سن لیتے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا: "ہاں یا رسول اللہ ﷺ"۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "تو پھر تم ضرور مسجد ہی میں آکر نماز ادا کیا کرو"۔

چنانچہ اس کے بعد وہ ہمیشہ بڑے شوق اور لگن کے ساتھ پانچوں وقت مسجدِ نبوی ﷺ میں باقاعدگی سے آتے رہے۔

سرورِ عالم ﷺ نے وصال فرمایا تو حضرت ابنِ اُم مکتوم رضی اللہ عنہ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور وہ خاموشی کے ساتھ مدینہ منورہ میں اپنے دن کاٹنے لگے، تاہم ان کے دل میں شوقِ جہاد آکثر چٹکیاں لیتا رہتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد

خلافت میں ان کا معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور گھر سے مسجد تک رہنمائی کے لئے انہیں ایک خادم بھی عطا کیا تھا۔ لیکن شوقِ جہاد نے انھیں گھر میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عراقِ عرب کی تسخیر کے لئے روانہ کیا تو حضرت ابن اُم مکتوم بھی اپنی معذوری کے باوجود لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔

علامہ ابنِ سعد اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ قادسیہ کے خونریز معرکے میں، جس نے عراقِ عرب کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ وہ زرہ بکتر پہن کر علم بلند کئے مجاہدین اسلام کی صفوں کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ لڑائی کا تنور گرم ہوا تو مسلمان اور ایرانی ایک دوسرے سے اس طرح گتھ گئے کہ صفوں کی ترتیب قائم نہ رہی۔ اس افراتفری میں حضرت ابنِ مکتوم رضی اللہ عنہ جامِ شہادت پی کر عازمِ خلدِ بریں ہو گئے۔

کُفار نے قطع تعلق کر دیا

بعثت نبوی کے ساتویں سال جب قریش مکہ نے دیکھا کہ ان کے بے پناہ ظلم و ستم کے باوجود مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے اور ان کی ایک معقول تعداد ان کے پنجہ ستم سے بچ کر حبش کے دارالعافیت میں بھی پہنچ گئی ہے تو وہ فرطِ غضب سے پاگل ہو گئے۔ اور ان کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ انہوں نے ایک اجتماع میں بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ جب تک بنو ہاشم محمد (ﷺ) کو ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ کوئی شخص ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھے گا۔ نہ ان کے پاس کوئی چیز فروخت کی جائے گی، نہ ان سے رشتہ ناطہ کیا جائے گا۔ اور نہ انہیں کھلے بندوں پھرنے دیا جائے گا۔ یہ معاہدہ لکھ کر کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔

جب بنو ہاشم کو اس معاہدے کا علم ہوا تو انہوں نے سرورِ عالم ﷺ کو مشرکین کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ۔۔۔ ابو طالب خاندان کے سب لوگوں کے

ساتھ (سوائے ابو لہب اور اس کے زیرِ اثر چند دوسرے ہاشمیوں کے) پہاڑ کے ایک درہ میں چلے گئے جو بنو ہاشم کا موروثی تھا اور شعب ابی طالب کہلاتا تھا۔ اس کٹھن وقت میں بنو مطلب نے بنو ہاشم کا پورا پورا ساتھ دیا۔ فی الحقیقت مطلب بن عبد مناف کی اولاد شروع ہی سے ہاشمیوں کے دُکھ سُکھ میں شریک رہتی تھی۔ جس طرح بنو ہاشم نے حضورِ انور ﷺ کی حفاظت وصیانت کا عہد کیا تھا۔ اسی طرح بنو مطلب نے بھی آپ کے دفاع و حفظ کی قسم کھائی تھی۔ چنانچہ شعب ابی طالب میں محصور رہ کر جس طرح بنو ہاشم مصائب و آلام کی چکی میں پستے رہے اسی طرح مُطّلبی بھی درّہ میں اقامت گزین رہ کر ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔ ان وفاشعاروں میں حضرتِ عُبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ زہرہ گداز محصوری پورے تین برس تک جاری رہی۔ اس دوران میں ظالم محاصرین کھانے پینے کی کوئی چیز حتی الوسع مسلمانوں کو نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ محصورین کے بچے بھوک سے بلبلاتے تھے تو مشرکین ان کی آوازیں سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ عورتوں کی چھاتیوں میں دودھ خشک ہو گیا تھا اور محصورین کے منہ میں کئی کئی دن تک ایک کھیل بھی اُڑ کر نہ جاتی تھی۔ بعض اوقات بکس محصورین درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں کھا کر پیٹ بھرتے تھے اور اگر کہیں سے سُوکھا چمڑا مل جاتا تو اس کو بھون کر ستو کی طرح پھانک لیتے تھے ان سب مصائب شدائد کے باوجود آفرین ہے محصورین پر، کہ وہ اس تین سال کے طویل عرصے میں ایک لمحہ کے لئے بھی مکہ کے دُرِّ یتیم ﷺ کا ساتھ چھوڑنے کا تصور تک دل میں نہ لائے بالآخر تین سال کے بعد مشرکین میں سے کچھ کو رحم آیا اور وہ اس ظالمانہ معاہدے کو توڑ کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب سے باہر لے آئے۔ اس محصوری میں حضرت عُبیدہ رضی اللہ عنہ نے شروع سے اخیر تک نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ سرورِ عالم ﷺ کا ساتھ دیا۔

کھجور کی چھڑی

غزوات نبوی ﷺ کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن نے

بدر، اُحد، احزاب، خیبر، فتح، حُنین، تبوک سبھی غزوات میں جانبازانہ حصہ لیا اور ہر معرکے میں اخلاص و ایثار اور شجاعت کا غیر معمولی مظاہرہ کیا۔ غزوہ بدر میں اپنے بھائی ابو سنان بن محصن رضی اللہ عنہ اور بھتیجے سنان بن ابی سنان بن محصن رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر شریک ہوئے اور حیرت انگیز شجاعت و بسالت سے لڑے۔ حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ لڑتے لڑتے ان کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، سرورِ عالم ﷺ نے دیکھا تو ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی وہ یہی چھڑی لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور لڑائی ختم ہونے تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اس غزوے میں قریش کا ایک نامی جنگجو معاویہ بن قیس ان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

عجیب تمنا

حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا دل ہر وقت شوق شہادت سے بے تاب رہتا تھا اور ان کی زبان پر یہ دُعا رہتی تھی۔

"الٰہی مجھ پر اس وقت تک موت وارد نہ فرما جب تک میرے جسم کا ایک ایک بند تیرے راستے میں زخموں سے چُور چُور نہ ہو جائے"۔

۱۱ ہجری میں سرورِ کونین ﷺ نے وصال فرمایا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دل میں راہِ حق میں سر فروشی کی آرزو اور بھی شدت سے مچلنے لگی۔ اسی زمانے میں فتنہ اِرتداد کی آگ سارے عرب میں بھڑک اُٹھی۔ خلیفہ الرسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین اسلام کے مختلف جیوش مرتدوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ایک جیش میں شامل ہو گئے۔ ایک مقام پر اس جیش کو مرتدین سے سخت معرکہ پیش آیا۔ بعض روایتوں میں اس معرکہ کو جنگ یمامہ بتایا گیا ہے۔ لیکن اکثر روایتوں میں اس معرکہ کے نام کی تصریح نہیں کی گئی۔ بہر صورت یہ ثابت ہے کہ یہ فتنہ ارتداد ہی کے سلسلے کی کوئی لڑائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اس معرکے میں اس جوش

اور ثابت قدمی سے لڑے کہ تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ زخم پر زخم کھاتے تھے اور تلوار چلاتے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ رہا جس پر دشمن کے ہتھیار کی ضرب نہ لگی ہو، اب ان کی دُعا کے قبول ہونے کا وقت آگیا تھا۔ زخموں سے چُور چُور ہو کر گر پڑے۔ لوگ میدان سے اٹھا کر خیمے میں لے گئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ حضرتِ عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی روزے سے تھے، زخموں نے نڈھال کر دیا تھا لیکن روزہ توڑنا گوارا نہ کیا۔ شام کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کا حال دریافت کرنے آئے تو پوچھا:

"کیا افطار کر چکے؟"

انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا:

"میرے لئے بھی پانی لاؤ"۔

وہ حیران رہ گئے کہ یہ مردِ حق اس حالت میں بھی روزے سے ہے فوراً پانی لانے کے لئے دوڑے لیکن ابھی واپس نہ آنے پائے تھے کہ عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔ اس وقت ان کی ولولہ انگیز زندگی کا اکتالیسواں سال تھا۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا مساحق نام کا چھوڑا جو ان کی زوجہ زینب بنتِ سراقہ رضی اللہ عنہ کے بطن سے تھا۔ علامہ ابن اثیر نے اُسدُ الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نہایت عابد و زاہد اور صاحب علم و عمل تھے۔

ڈاکوؤں کا تنہا تعاقب

صحیح بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز میں فجر کی اذان سے پہلے چلا، اتنے میں مجھ کو عبدالرحمٰن بن عوف کا غلام ملا اور اس نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں پکڑی گئیں، میں نے پوچھا، کس نے پکڑیں تو اس نے کہا بنو غطفان نے۔ اس کے بعد (حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے جو واقعات بیان کئے وہ تقریباً وہی ہیں جو مسند احمد بن حنبل میں درج ہیں) حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے پہلے تو ایک قریبی ٹیلے

پر چڑھ کر مدینہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ "یا صَبَاحَاہ" کا نعرہ لگایا۔ (یہ نعرہ امداد طلب کرنے کے موقع پر لگایا جاتا تھا۔ اس کا مطلب ہے "اے صبح کی مصیبت") اور پھر اکیلے ہی درختوں کی آڑ لے کر چھاپہ ماروں پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ بڑے شجاع اور غضب کے تیر انداز تھے۔ جب تیر چلاتے تو للکار کر یہ رجز پڑھتے

اَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ

(میں ہوں اکوع کا بیٹا اور یہ چھٹی کا دودھ یاد کرانے کا دن ہے)

اگر دشمن کا کوئی سوار ان کا قصد کرتا تو وہ تاک کر اس کو اپنے تیر کا نشانہ بناتے اور یہ شعر پڑھتے۔

خُذْھَا وَاَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ

(اسے لے میں اکوع کا بیٹا ہوں اور یہ دن چھٹی کا دودھ یاد کرانے کا دن ہے)

اس اکیلے مردِ مجاہد نے غارت گروں کو ایسا زچ کیا کہ وہ اپنی چوکڑی بھول گئے اور ساری لونٹیاں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے لونٹیوں کو مدینہ کی طرف ہانک دیا اور خود ڈاکوؤں کا تعاقب جاری رکھا جو اپنی چادریں اور نیزے پھینکتے جاتے تھے اور اس اکیلے مردِ مجاہد کے سامنے بھاگتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ہر چادر اور نیزے پر بطور علامت ایک پتھر رکھ دیتے تھے اور پھر ان کا تعاقب شروع کر دیتے تھے۔ جب چاشت سے کچھ زیادہ وقت ہوا تو عُیَینہ فزاری کچھ اور مسلح سواروں کے ساتھ بھاگنے والے ڈاکوؤں کی مدد کے لئے آ پہنچا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ایک قریبی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ عُیَینہ نے غطفانی ڈاکوؤں سے پوچھا "یہ کون شخص ہے؟" انہوں نے کہا، اس شخص نے ہمیں سخت تنگ کیا ہے اس نے صبح سے اس وقت ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور ہم سے سب کچھ چھین لیا ہے۔

عُیَینہ بولا: "اس کے پیچھے یقیناً کوئی جماعت ہے ورنہ وہ تن تنہا تمہارا تعاقب

کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ اب تم اس کو گرفتار کرنے کی کوشش کرو"۔ چنانچہ ان میں سے چار آدمی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے جب وہ چوٹی پر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے اتنے قریب پہنچے کہ ان کی آواز سُن سکیں تو انہوں نے پکار کر کہا، "کیا تمہیں معلوم ہے میں کون ہوں"۔ غطفانیوں نے کہا۔ "تو کون ہے؟"

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ "میں اکوع کا بیٹا ہوں۔ اس ذات پاک کی قسم جس نے محمد ﷺ کے روئے انور کو بزرگ بنایا تم میں سے کسی کی مجال نہیں کہ مجھ کو پکڑ سکے اور تم میں سے ایک بھی ایسا نہیں کہ اگر میں اسے ہلاک کرنا چاہوں تو وہ بچ جائے"۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ اور ڈاکوؤں کے درمیان ابھی یہی سوال و جواب ہو رہے تھے کہ دُور سے گرد اڑتی نظر آئی اور پھر درختوں کے جھنڈ سے تین شہسوار نمودار ہوئے جو حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے اپنے گھوڑے برق رفتاری سے دوڑاتے آرہے تھے۔ یہ شہسوار اس امدادی دستے کا ہراول تھے جو رسول اکرم ﷺ نے ڈاکے کی اطلاع ملتے ہی لٹیروں کے تعاقب کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ سب سے آگے حضرت محرز بن فضلہ الملقب بہ اخرم اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے کچھ دُور حضرت مقداد بن عمرو الاسود کندی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس وقت حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فوراً پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترے اور حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا۔ "اخرم رضی اللہ عنہ آگے نہ بڑھو۔ مجھے خطرہ ہے کہ لٹیرے تمہیں گھیر نہ لیں۔ تھوڑی دیر صبر کرو تاکہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ علیہم الرضوان آجائیں"۔

حضرت اخرم رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے سلمہ اگر تم اللہ عزوجل اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو میری شہادت کے راستے میں حائل نہ ہو"

یہ جملے انہوں نے اس جوش اور جذبہ کے ساتھ کہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ

عنہ نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبدالرحمٰن فزاری کی طرف لپکے اور اس کے گھوڑے کے پاؤں پہلے ہی وار میں کاٹ ڈالے لیکن اس کے ساتھ ہی عبدالرحمٰن فزاری کا نیزہ بھی ان کے جگر کے پار ہو گیا اور وہ جامِ شہادت نوش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب عبدالرحمٰن اپنے گھوڑے سے اتر کر حضرتِ اخرم کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، اتنے میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ گھوڑا دوڑاتے آپہنچے اور اپنے نیزے سے عبدالرحمٰن کو گرا کر قتل کر کے اسی وقت حضرت اخرم رضی اللہ عنہ کا بدلہ لے لیا۔ عین اسی وقت حضرت مقداد بھی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور سلمہ رضی اللہ عنہ سے آن ملے اور ان تینوں جانبازوں نے غارت گروں کو اپنے نیزوں کی نوکوں پر رکھ لیا۔ کچھ دیر میں حضور ﷺ کے بھیجے ہوئے کچھ اور سوار بھی پہنچ گئے۔ بدطینت لٹیروں نے اب بھاگنے ہی میں اپنی عافیت دیکھی تاہم مجاہدین نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے فزاری غارت گر ایک چشمے پر جمع ہو کر پانی پینے کا ارادہ کر رہے تھے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ للکارتے ہوئے ان کے سر پر جا پہنچے۔ اس وقت حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی بہت پیچھے رہ گئے تھے لیکن اللہ رے اس اکیلے شیر کی ہیبت کہ بیسیوں مسلح جنگجو پانی پیئے بغیر ان کے سامنے بھاگ کھڑے ہوئے اور بہت دُور ثنیہ ذی بیر میں جا کر پناہ لی۔ اب سورج بالکل غروب ہو گیا لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ آگے ہی آگے بڑھتے گئے اتنے میں ایک فزاری غارت گر پر ان کی نظر پڑی۔ انہوں نے اس کو تیر مارا اور یہ رجز پڑھا۔

خُذْهَا وَ اَنَا ابْنُ الْاَكْوَعِ　　　وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

اس نے جواب دیا۔ "ابنِ اکوع کی ماں صبح نے پائے"۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے کہ "ہاں اے اپنے نفس کے دشمن" ایک دوسرا تیر اس پر جڑ دیا۔ وہ شخص سخت گھائل ہو کر وہاں سے غائب ہو گیا اور دو گھوڑے اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ حضرت سلمہ دونوں گھوڑوں کو ہنکا کر واپس ذو قرد کے چشمہ پر پہنچے۔ یہاں

رسولِ اکرم ﷺ پانچ سو مسلح جاں نثاروں کے ساتھ رونق افروز تھے اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا جگر اور کوہان حضور ﷺ کے لئے آگ پر بھون رہے تھے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ گھوڑے پیش کرتے ہوئے عرض کی:

"یارسول اللہ ﷺ اگر آپ مجھے سو آدمی دے دیں تو میں فزاری غارت گروں کا نام و نشان مٹا ڈالوں گا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی خبر دینے والا بھی نہیں بچے گا"۔

حضور ﷺ نے متبسم ہو کر فرمایا۔ "اے سلمہ رضی اللہ عنہ کیا تم واقعی ایسا کر گزرو گے"۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے بڑے جوش کے ساتھ کہا۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ عزوجل کی قسم جس نے آپ کو معزز و مکرم بنایا ہے میں ایسا ہی کروں گا"۔ ان کا جوش و جذبہ دیکھ کر رحمتِ عالم ﷺ بشاش ہو گئے اور اس قدر ہنسے کہ آپ کے پچھلے دندانِ مبارک (داڑھوں) سے نور کی شعاعیں پھوٹنے لگیں۔ پھر آپ نے فرمایا "اے ابن اکوع جانے دو اور قابو پانے کے بعد درگزر کرو"۔

رحمت دو عالم، نور مجسم، شاہ بنی آدم ﷺ نے فرمایا، "ہمارے سواروں میں سب سے بہترین ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں اور پیادوں میں سے بہترین سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں"۔

ایک بدوی کا قبول اسلام

بعثت کے چوتھے سال جب رحمت عالم ﷺ نے علانیہ تبلیغ حق کا آغاز فرمایا تو مشرکین قریش کے غیظ و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا۔ یہ وہی لوگ تھے جو آوازہ حق سننے سے قبل حضور ﷺ کی صداقت، امانت اور اخلاق عالیہ کے دل سے معترف اور مداح تھے لیکن وائے بدبختی کہ جب وہ بھلائی کی طرف بلائے گئے تو خیر الخلائق ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ انہوں نے نہ آپ ﷺ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا رکھی اور نہ

آپ کے نام لیواؤں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا لیکن آفرین ہے اللہ عزوجل کے ان پاکباز ترین بندوں پر کہ ہر قسم کے مصائب اور خطرات کے علی الرغم جادۂ حق پر بے مثال استقلال اور استقامت کے ساتھ گامزن رہے۔ اسی پر آشوب زمانے میں رحمت عالم ﷺ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی معیت میں تبلیغ حق کے لئے بازار عکاظ میں تشریف لے گئے جہاں ہر سال عرب کے کونے کونے سے لوگ آتے تھے اور یہ بازار ایک عظیم قومی میلے کی حیثیت اختیار کر جاتا تھا۔

ہادیٔ برحق ﷺ نے میلے میں شریک لوگوں کو دعوت توحید دینی شروع کی تو مشرکین کا ایک جم غفیر آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گیا اور آپ کا مضحکہ اڑانا شروع کر دیا۔ میلے میں قبیلہ بنو سلیم کا ایک نیک فطرت بدوی بھی موجود تھا۔ اس نے کفار کی بدتمیزی کے مقابلے میں حضور ﷺ کی تبلیغ کا انداز اور آپ ﷺ کا صبر و تحمل دیکھا تو بے حد متاثر ہوا۔ جب ذرا تخلیہ ہوا اور کفار پرے چلے گئے تو وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا اور آپ ﷺ کی دعوت کی تفصیل جاننے کا اشتیاق ظاہر کیا اس موقع پر سرور عالم ﷺ اور اس بدوی کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

بدوی: آپ ﷺ کون ہیں؟

رسول اکرم ﷺ: میں اللہ عزوجل کا نبی ہوں۔

بدوی: نبی کس کو کہتے ہیں؟

رسول اکرم ﷺ: اللہ عزوجل کی طرف سے پیغام لانے والے کو۔

بدوی: کیا واقعی آپ ﷺ کو اللہ عزوجل نے بھیجا ہے؟

رسول اکرم ﷺ: ہاں مجھ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی ہے۔

بدوی: آپ ﷺ کی دعوت کیا ہے؟

رسول اکرم ﷺ: اللہ عزوجل کو ایک مانا جائے، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ بتوں کی پرستش نہ کی جائے۔ قرابتداروں سے محبت کی جائے اور ان سے اچھا سلوک اور برتاؤ کیا جائے۔

بدوی: کوئی شخص ۔ ﷺ پر ایمان بھی لایا ہے؟

رسول اکرم ﷺ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے) یہ دونوں بھی مجھ پر ایمان لا چکے ہیں۔

بدوی: اسلام کیا ہے؟

رسول اکرم ﷺ: ہر شخص کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا اور مساکین کو کھانا کھلانا اسلام ہے۔

بدوی: اور ایمان؟

رسول اکرم ﷺ: خدا عزوجل کی راہ میں صبر و رضا کا نام ایمان ہے۔

بدوی: اسلام کا اعلیٰ درجہ کیا ہے؟

رسول اکرم ﷺ: دوسروں کو نہ زبان سے برا بھلا کہے اور نہ کسی کو بدنی تکلیف پہنچائے۔

بدوی: ایمان کا اعلیٰ درجہ کیا ہے؟

رسول اکرم ﷺ: حسن کردار سے ایمان میں رفعت پیدا ہوتی ہے۔

بدوی: اے اللہ عزوجل کے نبی میں بھی آپ ﷺ پر ایمان لاتا ہوں' خدا عزوجل کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہوں۔ بتوں کی پرستش سے انکار کرتا ہوں اور قرابت داروں سے حسن سلوک میری زندگی کا لائحہ عمل ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ: "اے بھائی آج کل ہم لوگ جن مظالم کا ہدف بنے ہوئے ہیں' ان کا برداشت کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ فی الحال تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب سنو کہ مجھے غلبہ ہو گیا تو اس وقت جہاں میرا قیام ہو وہاں آ جانا۔"

بدوی حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے وطن کو لوٹ گیا لیکن وہ خالی ہاتھ نہیں گیا۔ اس نے اپنی جھولی دین و دنیا کی نعمتوں سے بھر لی تھی' وہ نہ صرف اسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ یاب ہو چکا تھا بلکہ اس نے سید المرسلین ﷺ کے ارشادات عالیہ کو بھی اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیا تھا اور زندگی بھر ان پر کاربند رہنے کا عہد

کرلیا تھا۔ بنو سلیم کے یہ خوش بخت بدوی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے گھر سے نکلے تو خالی ہاتھ تھے واپس گئے تو تقدیر بدل چکی تھی اور دولت ایمان سے مالا مال تھے ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

نو بچیوں کے باپ کی شہادت

سرکار مدینہ' قرار قلب وسینہ' فیض گنجینہ' صاحب معطر پسینہ ﷺ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر کوہ احد کے دامن میں اس شیطانی لشکر کے مقابل ہوئے اس وقت صرف سات سو فدایان توحید آپ ﷺ کے ہمراہ تھے جبکہ کیل کانٹے سے لیس حملہ آوروں کی تعداد تین ہزار تھی۔ غازیان اسلام میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غزوہ سے پہلے ایک شب انہوں نے اپنے نوجوان فرزند حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا ۔

"بیٹے میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس لڑائی میں مجھے سب سے پہلے شہادت نصیب ہو گی۔ مجھے اپنی جان مال اولاد ہر چیز سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ محبوب ہیں' تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم گھر پر رہ کر اپنی بہنوں کی اچھی طرح خبر گیری کرنا اور مجھ پر جو قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔"

یہ وصیت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس لیے کی کہ ان کی نو بچیاں تھیں جن میں چھ بہت چھوٹی تھیں۔ نو بہنوں کے صرف ایک بھائی حضرت جابر رضی اللہ عنہ تھے۔ اگر وہ بھی لڑائی میں شامل ہو جاتے تو گھر بالکل خالی ہو جاتا۔

میدان رزم گرم ہوا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر شیر کی طرح مشرکوں پر جھپٹے اور دور تک ان کی صفوں کے اندر گھس گئے۔ ایک مشرک اسامہ الاعور بن عبید (یا بروایت دیگر سفیان بن عبد شمس) نے ان پر تاک کر حملہ کیا' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شہید ہو کر فرش خاک پر گر گئے اور یوں ان کے دل کی تمنا پوری ہو گئی۔

شقی القلب مشرکین نے ان کی لاش کا مثلہ کر ڈالا۔ لڑائی ختم ہوئی تو مسلمانوں نے نعش پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آکر لاش کے منہ سے کپڑا اٹھایا تو اس کی حالت دیکھ کر رونے لگے، بنو سلمہ رضی اللہ عنہ ان کو بہتیرا منع کرتے تھے لیکن ان کا گریہ تھمتا نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بہنوئی حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ اور بھانجے خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی اس لڑائی میں مردانہ وار لڑ کر شہید ہو گئے تھے، ان کی بہن ہند بنت عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ میدان احد میں پہنچیں تو شوہر، بیٹے اور بھائی کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا، یہ ان کے لیے صدمہ عظیم تھا لیکن جب سرور عالم ﷺ کو اپنے درمیان موجود پایا تو دل کو قرار آگیا تاہم جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے کپڑا اٹھایا گیا تو بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر بے اختیار منہ سے چیخ نکل گئے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ (بھتیجے) کے ساتھ مل کر رونے لگیں۔ اسی موقع پر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم روؤ یا نہ روؤ فرشتے اپنے پروں سے عبداللہ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔؟

شہادت یا فتح

شرجیل بن عمرو غسانی کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر ملی تو اس نے زور شور سے مقابلے کی تیاری کی اور ساتھ ہی ہرقل سے مدد مانگ بھیجی جو اسی علاقے میں بلقاء کے مقام پر ایک زبردست لشکر کے ساتھ موجود تھا، اس نے تقریباً ایک لاکھ رومی جنگجو شرجیل کی مدد کے لیے بھیج دیئے۔ اسلامی لشکر نے حدود شام میں داخل ہو کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو انہیں غنیم کی کثیر تعداد اور جنگی تیاریوں کا علم ہوا۔ بعض اصحاب علیہم الرضوان نے رائے دی کہ رسول اکرم ﷺ کو ان حالات کی اطلاع دی جائے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے للکار کر فرمایا:

"اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو، تمہارا مطلوب و مقصود تو راہ حق میں اپنی جانیں قربان کرنا ہے۔ مسلمان کبھی مادی قوت اور آدمیوں کی کثرت کے بل پر نہیں لڑتے ہیں

صرف دین حق کی خاطر لڑتے ہیں جس نے انہیں عزت بخشی ہے۔ آگے بڑھو اور دو کامیابیوں میں سے ایک حاصل کرلو' شہادت یا فتح۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تقریر نے تمام مجاہدین کے دلوں میں شوق شہادت کے شعلے بھڑکا دیئے اور وہ موتہ پہنچ کر رومیوں کی مہیب طاغوتی قوت سے بھڑ گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا' وہ بھی نوے (۹۰) زخم کھا کر خلد بریں کو سدھارے تو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لشکر کے قائد بنے۔ کہا جاتا ہے انہوں نے تین دن سے کوئی غذا نہ کھائی تھی' شہادت سے کچھ دیر پہلے ان کے سامنے گوشت رکھا گیا تاکہ کھا کر پوری قوت سے لڑنے کے قابل ہو سکیں' ابھی پہلا لقمہ ہی منہ میں رکھا تھا کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی۔ انہوں نے وہ لقمہ فوراً اگل دیا اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا' جعفر رضی اللہ عنہ دنیا سے کوچ کر گئے اور تو ابھی تک دنیا میں مشغول ہے۔ پھر شمشیر بدست علم سنبھال کر یہ رجز پڑھتے ہوئے صف جنگاہ میں گھس گئے۔

يَانَفْسُ! اِنْ لَا تُقْتَلِيْ تَمُوْتِيْ   هٰذَا حَمَّامُ الْمَوْتِ قَدْ صُلِيْتِ

وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ اُعْطِيْتِ   اِنْ تَفْعَلِيْ فِعْلَهُمَا هُدِيْتِ

(اے نفس اگر قتل نہ ہو گا تب بھی مرے گا کہ موت کا حمام گرم کر دیا گیا ہے اور جو تیری تمنا تھی وہ پوری ہو رہی ہے اگر تو نے ان (شہیدوں) جیسے کام کیے تو ہدایت پا گیا۔)

لڑتے لڑتے انگلی میں شدید زخم آیا جس سے وہ لٹک گئی' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر پڑے اور پاؤں سے اس انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا۔ اس طرح وہ جسم سے الگ ہو گئی۔ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے سخت ناتوانی محسوس کی اور دل میں کچھ تردد سا پیدا ہوا کہ کیسے لڑوں' لیکن یہ تردد فوراً ہی دور ہو گیا اور انہوں نے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر

کہا کہ اے نفس یہ تردد اگر بیوی کے لیے ہے تو اس کو طلاق' اگر غلاموں کی وجہ سے ہے تو وہ
سب آزاد' اگر باغ اور زراعت کی وجہ سے ہے تو وہ سب اللہ عزوجل کے راستہ میں صدقہ کرتا
ہوں۔ اس کے بعد پھر مردانہ وار یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔

اَقْسَمْتُ یَا نَفْسُ ! لَتَنْزِلَنَّه   لَتَنْزِلَنَّ اَوْ لَتُکْرَهَنَّه

اِنْ اَجْلَبَ النَّاسُ شَدُّوا الرَّنَّةَ   مَالِیْ اَرَاكِ تَکْرَهِیْنَ الْجَنَّةَ

قَدْطَالَ مَا کُنْتِ مُطْمَئِنَّة   هَلْ اَنْتِ اِلَّا نُطْفَةٌ فِیْ شَنَّه

(اے نفس میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ تجھے میدان میں اترنا ہوگا خواہ خوشی سے اتر خواہ
ناگواری سے۔
اگر لوگ جمع ہوئے اور رونے کی آواز بلند کی' تو مجھے کیا ہوا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اے
نفس تجھے جنت میں جانے سے کراہت ہے۔
تو نے اطمینان کا بہت طویل زمانہ گزارا ہے۔ تو وہی تو ہے جو رحم کے مشکیزے میں نجس
پانی کا ایک قطرہ تھا۔)
دیر تک تلوار اور نیزے سے داد شجاعت دیتے رہے۔ اسی دوران میں دشمن کے کسی
سپاہی نے برچھی کا ایسا سخت وار کیا کہ متحارب صفوں کے درمیان گر گئے۔ سینے سے خون کا
فوارہ چھوٹا تو اس کو اپنے ہاتھوں سے چہرے پر ملا اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا: "مسلمانو
اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ۔" (یعنی دشمن میری لاش کو خراب نہ کرنے پائیں) چنانچہ
مسلمانوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کفار کو پیچھے دھکیل دیا۔ اسی اثناء میں ان کی روح
روضہ رضوان کو سدھار گئی۔

خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی

اللہ عنہ امیر لشکر بنے۔ انہوں نے غازیان دین کو مجتمع کر کے ایسا بھرپور حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

دانائے غیوب

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت موتہ کے میدان میں مسلمان موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ سینکڑوں میل دور مدینہ منورہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے منبر پر تشریف فرما تھے آپ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

"نشان لیا زید رضی اللہ عنہ نے اور وہ شہید ہوئے۔ نشان لیا اب جعفر رضی اللہ عنہ نے اور وہ شہید ہوئے۔ نشان لیا اب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اور وہ بھی شہید ہوئے۔ اب نشان لیا خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اور اس کو فتح دی گئی۔"

گویا میدان جنگ کا نقشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے تھا اور وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پل پل کی خبر مل رہی تھی۔ اسی واقعہ کی بناء پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ارباب سیر نے اس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار کیا ہے۔

طبقات ابن سعد میں حضرت ابو میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت زید، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ علیہم الرضوان شہید ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (کھڑے ہو کر) ان تینوں کے لیے فرداً فرداً نام لے کر مغفرت کی دعا کی۔

معذور مجاہد

۹ شوال سن ۳ ھ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد پر جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ بنو سلمہ رضی اللہ عنہ کے چار نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی

"یارسول اللہ ﷺ ہم چاروں بھائی لڑائی میں شریک ہو رہے ہیں۔ ہمارے والد ضعیف العمر شیخ کبیر ہیں اور ان کے ایک پیر میں لنگ بھی ہے' لیکن ہمارے ساتھ وہ بھی لڑائی میں شامل ہونے پر بضد ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے"

حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارے والد اپنی معذوری کی بناء پر فریضہ جہاد ادا کرنے کے مکلّف نہیں ہیں۔ تم نے ان کو سمجھایا ہوتا۔

نوجوانوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم نے انہیں بہتیرا سمجھایا' لیکن وہ کسی صورت نہیں مانتے۔

سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا' اچھا' تو انہیں ذرا میرے پاس بلا لاؤ۔

نوجوان اپنے گھر گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے پلٹے تو ان کے ساتھ گھنگھریالے بالوں والے گورے رنگ کے ایک سفید ریش بزرگ بھی لنگڑاتے ہوئے آئے یہ ان کے والد تھے۔ انہوں نے بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ سرورِ عالم ﷺ کو سلام کیا اور عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان' اس عاجز کے لیے کیا حکم ہے؟"

حضور ﷺ نے متبسم ہو کر نہایت شیریں لہجے میں فرمایا:

"بھائی! میں نے سنا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ لڑائی پر جانا چاہتے ہیں۔ آپ کا اخلاص اور جذبہ فدویت اللہ عزوجل کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے' لیکن آپ کی عمر اب لڑائی میں حصہ لینے کی نہیں اور پھر آپ ایک پاؤں سے معذور بھی ہیں اس لیے آپ جہاد پر جانے کے مکلّف نہیں ہیں۔ امید ہے حق تعالیٰ آپ کو اپنی نیت کے بدلے جہاد کا ثواب عطا فرمائے گا۔"

وہ بزرگ بڑے جوش کے ساتھ عرض پیرا ہوئے: "یارسول اللہ ﷺ! یہ لڑکے بھی مجھ کو میدان جہاد میں جانے سے روک رہے ہیں' لیکن خدا عزوجل کی قسم مجھے امید ہے کہ اگر میں راہ حق میں لڑ کر مارا جاؤں تو اسی پاؤں کو گھسیٹتا ہوا جنت میں پہنچ جاؤں گا۔ للہ عزوجل مجھے اپنی ہمرکابی کی اجازت مرحمت فرمائیں۔"

حضور ﷺ ان کے جوش اخلاص سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے فرزندوں سے

مخاطب ہو کر فرمایا "بیٹو! اب ان کو نہ روکو، شاید ان کے مقدر میں رتبہ شہادت پر فائز ہونا ہی لکھا ہو۔

حضور ﷺ کا ارشاد سن کر یہ بزرگ بیٹوں کے ساتھ خوش خوش گھر لوٹے ہتھیار سنبھالے اور پھر بڑے عجز والحاح کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دعا مانگی

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ وَلَا تَرُدَّنِي إِلَى أَهْلِي خَائِبًا۔

(الٰہی عزوجل مجھ کو شہادت نصیب فرمانا اور مجھ کو نا امید گھر واپس نہ لانا۔)

اس کے بعد وہ سیدھے سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ آپ ﷺ کی ہمرکابی میں میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ بزرگ جن کے جوش ایمان اور شوق شہادت نے رحمت عالم ﷺ کو اس قدر متاثر کیا کہ آپ ﷺ نے ان کی کبر سنی اور معذوری کے باوجود انہیں لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی، سید الانصار حضرت عمرو بن جموح سلمی رضی اللہ عنہ تھے۔

لکڑی کا بُت

سیدنا حضرت عمرو بن جموح بنو سلمہ (رضی اللہ عنہ) کے رئیس تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ عہد جاہلیت میں خاندان کے بت خانے کی تولیت بھی ان کے سپرد تھی۔ بت پرستی سے ان کا شغف جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ لکڑی کا ایک بت بنا کر گھر میں رکھ لیا تھا جس کی صبح شام پرستش کیا کرتے تھے اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو بنا سنوار کر رکھتے تھے ان کی زندگی کے بے شمار لیل و نہار اسی حالت میں گزر گئے یہاں تک کہ بڑھاپے نے آلیا۔ اسی زمانے میں فاران کی چوٹیوں سے خورشید رسالت ﷺ طلوع ہوا۔ اس کی ضیاء باری نے مدینے کے بہت سے گھرانوں کو بھی منور کر دیا۔ سن ۱۱ بعثت میں ۶، ۱۲ بعثت میں ۱۲ اور سن ۱۳ بعثت میں ۷۵ مدنی مسلمان ہو گئے۔ اور رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان کی نعمت اور حضور ﷺ کی بیعت سے سعادت اندوز ہوئے۔ سن ۱۳ بعثت کی بیعت عقبہ کبیرہ

میں شامل ہونے والے پچھتر نفوس قدسی میں حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے نوجوان صاحبزادے معاذ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ لوگ دولت اسلام سے بہرہ یاب ہو کر مدینہ واپس آئے تو گھر گھر اسلام کا چرچا ہونے لگا' لیکن بوڑھے عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بت (مناۃ) پر دیوانہ وار فدا تھے' اس کو چھوڑنا انہیں کسی صورت میں گوارا نہیں تھا۔

معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور بنو سلمہ کے کچھ دوسرے نو مسلم نوجوانوں نے عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنے بت سے برگشتہ کرنے کی ایک پر لطف ترکیب سوچی' وہ رات کو عمرو رضی اللہ عنہ کا بت باہر لے جاتے اور اسے نجاست سے بھرے ہوئے کسی گڑھے میں اوندھا کر کے ڈال دیتے۔ علی الصباح بیدار ہو کر عمرو رضی اللہ عنہ بت کو اپنی جگہ پر نہ پاتے تو بہت سٹپٹاتے اور چلاتے: "تم لوگوں کا ناس ہو' معلوم نہیں ہمارے معبود کو کون لے گیا ہے۔" پھر اس کی تلاش میں نکلتے جب مل جاتا تو اس کو صاف کرتے' نہلاتے اور خوشبو لگا کر اسے اپنی جگہ رکھتے وقت کہتے: "خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا' تو اس کی ایسی درگت بناؤں کہ دنیا دیکھے۔

جب یہ قصہ ہر روز ہونے لگا تو ایک دن تنگ آ کر بت کے گلے میں تلوار لٹکائی اور کہنے لگے:

"واللہ مجھے تو یہ علم نہیں کہ کون تیرے ساتھ یہ گستاخی کرتا ہے۔ اب یہ تلوار تیرے پاس ہے خود اس سے اپنا حفظ و دفاع کرنا۔"

لڑکوں نے بت کی گردن میں تلوار لٹکی دیکھی' تو وہ بہت ہنسے۔ انہوں نے تلوار تو اتار کر اپنے پاس رکھ لی اور بت کو ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ رسی میں باندھ کر بنو سلمہ کے ایک ایسے کنوئیں میں لٹکا دیا جس میں لوگ نجاست پھینکا کرتے تھے۔ صبح کو عمرو رضی اللہ عنہ نے بت اور تلوار دونوں کو غائب دیکھا تو پھر تلاش میں نکلے۔ جب بت کو مردہ کتے کے ساتھ غلاظت [illegible] میں لٹکا دیکھا تو ان کی چشم بصیرت وا ہو گئی [illegible] پرستی سے نفرت ہو [illegible]۔ علامہ [illegible] نے "[illegible] وفاء الوفا" میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کے [illegible] نوجوان [illegible]

ملاقات ایک مسلمان سے ہوئی اس کے سامنے اپنا دکھڑا رونے لگے۔ مسلمان نے ملامت کی کہ تم نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ تضحیک کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ یہ بت بھی بھلا کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ میری مانو تو ان بتوں پر چار حرف بھیجو اور خدائے واحد عزوجل اور اس کے رسول برحق ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ عمرو رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کی باتیں اتر گئیں اور وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

جنگِ یَرمُوک

اُردن کی تسخیر کے بعد مسلمانوں نے حمص، حماۃ، شیزر، معرۃ النعمان، لاذقیہ اور کئی دوسرے شہر یکے بعد دیگرے فتح کر لیے۔ ان کی مسلسل پیشقدمی نے ہرقل کو سخت غضبناک کر دیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اپنے سارے وسائل بروئے کار لا کر مسلمانوں کو شام سے باہر دھکیل دے گا۔ چنانچہ اس نے کثیر التعداد فوجیں جمع کیں اور ان کو ہر قسم کا سامان حرب و ضرب دے کر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے لے روانہ کیا۔ رومی لشکر نے دریائے یرموک کے کنارے وقوصہ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا اور مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے پر تولنے لگا۔ باختلاف روایت رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ سے دس لاکھ کے درمیان تھی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی مقابلے کی تیاری کی اور شام میں مختلف مقامات پر بکھری ہوئی تمام فوجوں کو جمع کر کے وادی یرموک میں پہنچ گئے۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر دارالخلافہ سے بھی کمک طلب کر لی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رومیوں کے اجتماع کی خبر سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ کیا تو کچھ نے خیال ظاہر کیا کہ تمام اسلامی فوجیں شام خالی کر کے عرب کی سرحد پر چلی جائیں اور جب دارالخلافہ سے کمک پہنچ جائے اس وقت دشمن کے مقابل ہوں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ جن علاقوں کو اللہ عزوجل نے ہمارے لیے فتح کر دیا ہے ان کو خالی کرنا تباہی کے مترادف ہو گا

اور ان کو دوبارہ فتح کرنے میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور صرف تیس چالیس ہزار مجاہدین کے ساتھ دشمن کے ٹڈی دل سے پنجہ آزمائی کے لیے تیار ہو گئے۔ رجب سن ۱۵ھ میں یرموک (یاقوصہ) کے میدان میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی پیش نہ آئی تھی۔ اس جنگ نے بڑی حد تک شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے (جو پورے میمنہ یا اس کے ایک حصہ کے سالار تھے) اس لڑائی میں شروع سے اخیر تک نہایت استقلال اور ہمت کے ساتھ داد شجاعت دی۔ ان کے نوجوان فرزند عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی باپ کے پہلو بہ پہلو جانبازی کا حق ادا کرتے رہے۔

خواتین نے خیمے کی چوبیں اُکھاڑ لیں

وادی یرموک میں ہونے والی خونخوار لڑائی میں ایک موقع پر عیسائیوں نے اس زور شور سے حملہ کیا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ افراد ہٹتے ہٹتے عورتوں کی خیمہ گاہ تک آ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا' خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ مردو ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھی' تو گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں' لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے' تو گھوڑا حاضر ہے۔ ان کے بیٹے نے کہا' یہ حق میں ادا کروں گا' کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں' غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھسے اور اس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور دوسرے مجاہدین کی سرفروشی کا نتیجہ یہ نکلا۔

عیسائیوں کو کمر توڑ شکست ہوئی اور وہ تقریباً ایک لاکھ آدمی میدان جنگ میں کٹوا کر بھاگ نکلے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عشق رسول ﷺ

بیت المقدس کے اثنائے قیام میں ایک دن نماز کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے اذان دینے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے کہا:

"میں نے عہد کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اذان نہیں دوں گا"

لیکن آج صرف اس وقت کی نماز کے لیے آپ کا ارشاد بجالاتا ہوں۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی' تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور ﷺ کا عہد مبارک یاد آگیا اور وہ زار زار رونے لگے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے آقا و مولا ﷺ کی یاد نے بے تاب کر دیا اور روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔

ایک ایک بند کاٹ ڈالا!

جب تاجدار مدینہ' قرار قلب و سینہ' فیض گنجینہ ﷺ نے رحلت فرمائی اب مسیلمہ کذاب کھل کھیلا۔ اس نے اپنی شعبدہ بازیوں اور ستم رانیوں کے بل پر لوگوں کو زبردستی اپنا معتقد بنانا شروع کیا۔ تقریباً چالیس ہزار جنگجو عرب مرتد ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ جو شخص اس کی نبوت سے انکار کرتا اس پر سخت ظلم کرتا۔

اسی زمانے میں ایک دن حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ عمان سے مدینہ آرہے تھے کہ اس ظالم کے ہاتھ پڑ گئے۔ اس نے ان سے پوچھا:

"محمد ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "وہ خدا کے سچے رسول ﷺ ہیں۔'

مسیلمہ بولا: "نہیں یہ کہو کہ مسیلمہ اللہ عزوجل کا سچا رسول ﷺ ہے۔"

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے نہایت حقارت سے اس کی بات مسترد کر دی۔ ظالم مسیلمہ نے تلوار کے ایک وار سے ان کا ہاتھ شہید کر ڈالا اور ان سے کہا: "اب میری بات مانو گے یا نہیں؟ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔" ہرگز نہیں۔" مسیلمہ نے اب ان کا دوسرا ہاتھ بھی شہید کر ڈالا اور کہا اب بھی میری رسالت تسلیم کر لو۔

اس عاشق رسول ﷺ نے امِّ عمارہ جیسی ماں کا دودھ پیا تھا' بولے' ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ (اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ)

اب مسیلمہ فرط غضب سے پاگل ہو گیا اور اس نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کا ایک ایک بند کاٹنا شروع کیا۔ ظالم راہ حق میں ان کا رقص بسمل دیکھ کر قہقہے لگاتا تھا۔ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن راہ تسلیم و رضا سے ان کے قدم ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ڈگمگائے۔

حضرت امِّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مجاہد فرزند کی مظلومانہ شہادت کی خبر سنی تو ان کی ثابت قدمی پر خدا کا شکر بجا لائیں' لیکن دل میں عہد کر لیا کہ اللہ نے توفیق دی تو مسیلمہ سے اس ظلم کا بدلہ لے کر رہیں گی۔

زخمی خاتونؓ کی شجاعتؒ

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی پر مامور کیا تو حضرت امِّ عمارہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے دوسرے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئیں۔ مسیلمہ نے مسلمانوں کے مقابلے کی زبردست تیاری کی اور چالیس ہزار جنگجوؤں کو میدان جنگ میں لا کھڑا کیا۔ عقرباء (یمامہ) کے مقام پر مرتدین اور اہل حق کے درمیان اس دور کی خونریز ترین جنگ لڑی گئی۔ (مورخ طبری کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا) کبھی مسلمان پیچھے ہٹ جاتے اور

بھی وہ مرتدین کو پیچھے دھکیل دیتے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے لڑائی کا یہ رنگ دیکھا' تو انہوں نے مسلمانوں کے تمام قبائل کو الگ الگ کر دیا اور اعلان کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے عَلَم کے نیچے لڑے تاکہ پتہ چل جائے کہ آج کون راہ حق میں ثابت قدمی رکھتا ہے۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہر قبیلے نے شجاعت اور استقامت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی اور مسیلمہ کے لشکر کا منہ پھیر دیا۔ حضرت اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا بھی شروع سے لے کر اب تک بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑ رہی تھیں' کئی بار مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش کی' لیکن ہر بار مرتدین بنو حنیفہ سد راہ بن گئے۔ اسی اثناء میں مرتدین میں ہزیمت کے آثار نمایاں ہوئے تو مسیلمہ نے ان سے پکار کر کہا کہ اپنا ننگ و ناموس بچانا ہے تو بچالو۔ اسی وقت اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے اسے تاک لیا اور زخم پر زخم کھاتی اور اپنے نیزے سے راستہ بناتی اس کی طرف بڑھیں۔ اس کوشش میں انہیں گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا۔ مسیلمہ کے قریب پہنچ کر اپنے نیزے سے حملہ کیا ہی چاہتی تھیں کہ اتنے میں مسیلمہ پر دو ہتھیار ایک ساتھ پڑے اور وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے نظر اٹھا کر دیکھا تو پہلو میں اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑے پایا اور قریب ہی وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ وحشی نے اپنا نیزہ مسیلمہ پر پھینکا تھا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس پر اپنی تلوار کا وار کیا تھا۔ حضرت اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا اپنے فرزند حبیب رضی اللہ عنہ کے قاتل اور مسلمانوں کے اس بدترین دشمن کی موت پر سجدہ شکر بجا لائیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بڑی تندہی سے ان کا علاج کرایا یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے تمام زخم مندمل ہو گئے۔

ساٹھ مجاہدین

یرموک کی ہولناک جنگ کا شمار شام کی فیصلہ کن لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ اس

میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے محیر العقول کارنامے انجام دیئے۔ ایک موقع پر ساٹھ ہزار غسانی عربوں کے مقابلے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے صرف ساٹھ شہسوار منتخب کیے' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی ان ساٹھ شہسواروں میں شامل تھے' ان ساٹھ مجاہدوں نے گروہ بنا کر چھاپہ مار انداز سے لڑائی شروع کی اور ساٹھ ہزار کے ٹڈی دل کو ایسا زچ کیا کہ وہ شام تک ان ساٹھ سرفروشوں سی پناہ مانگ اٹھا' حضرت عبدالرحمٰن' زبیر بن العوام اور فضل بن عباس علیھم الرضوان تو دشمن کے ایک دستے کو مارتے رگیدتے اتنی دور نکل گئے کہ مسلمانوں کو ان کی شہادت کا خدشہ پیدا ہو گیا تاہم رات گئے وہ بخیریت اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔

تلوار دو ٹکڑے ہو گئی تو۔۔۔

اسی جنگ میں ایک دوسرے موقع پر ایک مجاہد قیس بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ایک شہزور رومی جنگجو سے ہو گیا' دونوں بڑی دیر تک ایک دوسرے سے لڑتے رہے معاً قیس نے اپنی تلوار کا ایک بھرپور وار اپنے مدمقابل پر کیا جو اس کے خود پر پڑا اور ان کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ اب ان کے پاس ایک چھوٹے سے خنجر کے سوا کچھ نہ تھا اور ان کی زندگی سخت خطرے میں تھی۔ اس نازک لمحے میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بجلی کی طرح اپنی صفوں سے نکلے اور حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر انہیں ایک نئی تلوار تھما دی۔ رومی کی مدد کے لیے بھی اس کا ایک ساتھی پہنچ گیا' عبدالرحمٰن اور قیس علیھم الرضوان نے آناً فاناً اپنے حریفوں پر وار کر کے قتل کر دیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں کھڑے ہو کر رومیوں کو للکارنے لگے کہ کسی کو مجھ سے مبارزت کی ہمت ہے تو سامنے آئے۔ جب کوئی ان کے سامنے نہ آیا تو وہ شیر کی طرح گرجتے ہوئے رومیوں کے دائیں بازو پر جا پڑے اور کئی رومیوں کو قتل کر کے اپنے لشکر میں واپس آئے۔

جوش کیساتھ ہوش بھی ضروری ہے

حضور ﷺ کے وصال کے بعد مسیلمہ کذاب کھل کھیلا اور تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کو اپنا معتقد بنا کر اسلامی حکومت سے سرکشی کا علم بلند کر دیا۔ وہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اتنا بد دماغ ہو گیا تھا کہ کوئی مسلمان مل جاتا' تو اس سے زبردستی اپنی نبوت منوانے کی کوشش کرتا' اگر وہ انکار کر دیتا تو طرح طرح کی اذیتیں دے کر شہید کرا دیتا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی سرکوبی کے لیے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو مقرر فرمایا' وہ روانہ ہو گئے تو مسیلمہ کی کثیر جمعیت کے پیش نظر حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو ان کی امداد کے لیے مزید فوج دے کر بھیجا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے جوش شجاعت میں کمک پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ سے لڑائی چھیڑ دی' لیکن ان کی مٹھی بھر فوج کی مسیلمہ کے ٹڈی دل کے سامنے کچھ پیش نہ چلی اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو پسپا ہونا پڑا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس ہزیمت کی اطلاع ملی تو وہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کی جلدبازی پر سخت ناراض ہوئے اور انہیں حکم بھیجا کہ مدینے واپس آنے کی بجائے مہرہ اور عمان کو رخ کرو اور وہاں کے مرتدوں سے جنگ کرو! دوسری طرف حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ تم یمامہ جا کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معیت میں مسیلمہ سے لڑو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان دنوں مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے۔ حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ نے بھی وہی غلطی کی جو عکرمہ رضی اللہ عنہ کر چکے تھے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ سے لڑائی چھیڑ دی۔ مسلمانوں کی قلیل جماعت کو ہزیمت ہوئی اور پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسی اثناء میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کی ایک فوج کے ہمراہ بطاح آ پہنچے۔ اس فوج میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب ہر طرف سے مسلمان بطاح آ گئے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ مسیلمہ کی طرف بڑھے۔ اس وقت مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار سے زیادہ جنگجوؤں کا لشکر تھا' ان کے مقابلے میں

مسلمان سر فروشوں کی تعداد صرف تیرہ ہزار تھی۔

عقرباء کے میدان میں اہل حق اور مرتدین کے درمیان سخت خونریز جنگ ہوئی' مورخ ابن جریر طبری کا بیان ہے :

لَمْ يَلْقَ الْمُسْلِمُوْنَ حَرْبًا مِثْلَهَا قَطّ

(یعنی مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا)

لڑائی کے آغاز سے پہلے مسیلمہ کے بیٹے شرجیل نے رجز خوانی کرتے ہوئے اپنے قبیلے کو خوب مشتعل کیا اور ان کی قومی عصبیت کو یہ کہہ کر ابھارا کہ اے بنو حنیفہ آج تم اپنے ننگ و ناموس کے لیے کٹ مرو' ورنہ مسلمان تمہاری عورتوں اور لڑکیوں کو لونڈیاں بنا لیں گے۔

شرجیل کی للکار سن کر مرتدین نے بڑے جوش سے مسلمانوں پر حملہ کیا مسلمانوں نے بھی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیں اور نہایت پامردی سے اس طوفانی حملے کو روکا لیکن مرتدین کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ مسلمی لشکر کے جوان بھی کٹ کٹ کر گر رہے تھے' مگر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور اسلامی لشکر کے دوسرے افسر مسلمانوں کو ہزیمت سے بچانے کے لیے از خود رفتہ ہو کر لڑ رہے تھے۔ اسی کوشش میں حضرت قیس بن ثابت رضی اللہ عنہ 'حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ 'حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ 'حضرت سالم مولائے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے جلیل القدر صحابہ علیھم الرضوان نے مردانہ وار لڑتے ہوئے اپنی جانیں اسلام پر قربان کر دیں۔ اس نازک موقع پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ جب وہ میدان رزم کا رخ کیا کرتے' تو ان کے بدن پر شدید لرزہ طاری ہو جاتا جس پر قابو پانے کے لیے کئی آدمی ان کو دبا لیتے تھے۔ جب یہ لرزہ دور ہو جاتا' تو ان میں بلا کی قوت پیدا ہو جاتی اور وہ میدان جنگ میں آکر شیر کی طرح بپھرتے۔ اس روز بھی یہی ہوا' مسلمانوں کو خطرے میں دیکھ کر ان کو سخت جوش آیا اور لرزہ سے فارغ ہو کر میدان میں پہنچ کر للکارے :

اَیْنَ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ

اَنَا الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ هَلُمَّ اِلَیَّ

"اے گروہ مُسلمین کدھر جاتے ہو' میں براء بن مالک ہوں میری طرف آؤ۔"

ان کی للکار پر مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے اور انہوں نے تازہ جوش کیساتھ دشمن پر زبردست حملہ کیا۔ اس وقت دشمن کا ایک نامی جنگجو حضرت براء رضی اللہ عنہ کے سامنے آگیا' وہ بڑا لحیم شحیم اور قد آور آدمی تھا اور لوگوں میں "حمار یمامہ" کے لقب سے مشہور تھا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کے پاؤں پر تلوار کا وار کیا۔ اس نے بدحواس ہو کر اپنے پاؤں بچانے چاہے اور دھڑام سے چت گر گیا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نیام میں ڈال لی اور اس کی تلوار چھین کر ایسی بھرپور ضرب لگائی کہ دو ٹکڑے ہو گیا۔

لڑائی جس نہج پر ہو رہی تھی اسے دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے اندازہ لگایا کہ جب تک مسیلمہ کو ختم نہیں کیا جاتا لڑائی کا فیصلہ نہ ہو گا' چنانچہ انہوں نے جانبازوں کا ایک دستہ لے کر دشمن پر ایک طوفانی حملہ کیا اور مرتدین کی صفوں کو درہم برہم کرتے مسیلمہ کی طرف بڑھے۔ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ اسی دستے میں داد شجاعت دے رہے تھے۔ مسیلمہ نے جب دیکھا کہ مسلمان اس کے سر پر پہنچا چاہتے ہیں' تو وہ گھبرا کر اپنے قبیلہ بنو حنیفہ سمیت پیچھے ہٹا اور اپنے قلعہ بند باغ "حَدِیْقَةُ الرَّحْمٰن" میں جا گھسا۔ اس کا دروازہ بہت مضبوط تھا اور اسے توڑنا ناممکن تھا۔ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے کہا: "مسلمانو! باغ کے اندر ہمیں اتار دو ہم اس کے اندر جا کر دشمنان خدا سے لڑیں گے۔" مسلمان اپنے ان سرفروشوں کو خطرے میں ڈالنے سے ہچکچائے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تو دیوار پھاند کر خود ہی باغ کے اندر کود گئے' براء رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو قسم دے کر کہا کہ مجھے بھی باغ میں اتار دو اور پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔

مسلمانوں نے مجبور ہو کر انہیں دیوار پر چڑھادیا اور وہ بھی مردانہ وار باغ میں جا کودے بیہقی نے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ ایک ڈھال پر بیٹھ گئے تھے اور مسلمانوں سے کہا تھا کہ اس ڈھال کو نیزوں پر اٹھا کر انہیں دیوار پر چڑادیں' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا چھلانگ لگانے سے ایک پاؤں ٹوٹ گیا تھا لیکن حضرت براء رضی اللہ عنہ بخیریت باغ میں اتر گئے اور بھوکے شیر کی طرح مرتدین پر ٹوٹ پڑے۔ لڑتے بھڑتے باغ کے پھاٹک پر پہنچ گئے اور اسے کھول دیا۔ اس وقت تک وہ دس مشرکوں کو قتل کر چکے تھے۔ مسلمان فوج یلغار کر کے اندر گھسی اور مرتدین کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ مسیلمہ بھاگنے کی فکر میں تھا کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا' تاک کر اپنا برچھا اس پر پھینکا اور وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اسے قتل ہوتے دیکھ کر مرتدین میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ اپنے ہزاروں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کا نقصان بھی کچھ کم نہ تھا' ان کے ایک ہزار آدمیوں نے جام شہادت پیا جن میں بہت سے جلیل القدر صحابہ علیھم الرضوان اور حفاظ قرآن بھی شامل تھے۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ زخموں سے چور چور ہو گئے تھے۔ تیر اور تلوار کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اٹھوا کر اپنی قیام گاہ پر لائے اور بذات خود ان کی تیمارداری کی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کے علاج کے لیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک ماہ تک وہاں قیام کیا۔ جب حضرت براء رضی اللہ عنہ کے زخم مندمل ہو گئے تو وہ پہلے کے سے جوش اور ولولہ کے ساتھ پھر جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

میں کہیں بستر ہی پر نہ مر جاؤں

۱۷ ہجری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے' تو

قریب کے ایرانی علاقے خوزستان کے رئیسوں نے مسلمانوں کے خلاف شورش پر کمر باندھی اور اعلانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کی ایک مضبوط جمعیت کے ساتھ خوزستان پر یلغار کر دیا اور وہاں کے اہم شہروں اہواز' مناذر' سوس اور رامہرز کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا۔ شاہ ایران یزدگرد کو جو اس وقت قم میں مقیم تھا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں' تو اس نے اپنے ایک سردار ہرمزان کو حکم دیا کہ وہ فوراً جا کر اہواز اور فارس کی حکومت سنبھالے اور مسلمانوں کو ان علاقوں سے باہر نکال دے۔ ہرمزان کا تعلق ایران کے شاہی خاندان سے تھا اور وہ بڑا صاحب تدبیر اور بارسوخ آدمی تھا۔ اس نے ایک زبردست لشکر لے کر خوزستان کے صدر مقام تستر (شوستر) کو اپنا مستقر بنایا اور بڑے زور شور سے مسلمانوں سے رزم آرائی کی تیاریاں کیں۔ اس نے ایرانیوں کی قومی عصبیت کو ابھار کر ان میں آگ سی لگا دی اور ایرانی جنگجوؤں کی ایک کثیر تعداد شوستر آ کر اس کے جھنڈے تلے لڑنے مرنے کے لیے آمادہ ہو گئی۔ ہرمزان نے قلعہ شوستر کی دیواروں' برجوں اور خندق کی مرمت کروائی اور اس کو اپنی طرف سے ناقابل تسخیر بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تستر کا رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ مجاہدین اسلام میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ دونوں بھائی جلیل القدر صحابی تھے اور میدان جہاد میں متعدد موقعوں پر اپنی شجاعت اور بسالت کا لوہا منوا چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ بر بنائے احتیاط حضرت براء رضی اللہ عنہ کو فوج کا افسر بنانے سے منع کیا تھا' لیکن حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صوابدید پر انہیں میمنہ کا افسر بنا دیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو سواروں کی قیادت سپرد کی۔ ہرمزان نے اپنی فوج کی کثرت کے بل پر شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا' لیکن مجاہدین اسلام ہتھیلی پر سر رکھ کر لڑے اور ہرمزان کو پسپا کر کے قلعہ بند ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد جب کبھی اس کی باسی کڑھی کھیم ابلا آتا شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتا' لیکن ہر بار منہ کی کھا کر واپس جاتا۔ ان

معرکوں میں حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کمال درجے کی جانبازی دکھائی اور تنہا دشمن کے سو آدمی ہلاک کیے۔ ان کے علاوہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر انہوں نے اس قدر ایرانی قتل کیے کہ انکا شمار کرنا مشکل ہے۔ اثنائے محاصرہ میں ایک دن حضرت براء رضی اللہ عنہ خوش الحانی سے شعر پڑھ رہے تھے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے خیمے میں پہنچ گئے اور کہا: "بھائی جان' اللہ عزوجل نے آپ کو اس سے اچھی چیز (یعنی قرآن حکیم) سے نوازا ہے' آپ اس کو کیوں خوش الحانی سے نہیں پڑھتے؟" حضرت براء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ "انس رضی اللہ عنہ شاید تمہیں یہ خوف ہے کہ کہیں میں بستر پر ہی نہ مر جاؤں' خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا' میری موت میدان جنگ ہی میں آئے گی۔"

ایک دن دشمن نے باہر نکل کر مسلمانوں پر ایسا خوفناک حملہ کیا کہ ان کے قدم ڈگمگا گئے' مسلمانوں کو حضرت براء رضی اللہ عنہ کے متعلق سرور عالم ﷺ کی حدیث یاد تھی' ان کے پاس آئے اور کہا "آج قسم کھایئے کہ خدا فتح دے گا۔" حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فوراً دست بدعا ہو کر کہا: "الٰہی عزوجل میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو مظفر و منصور کر' کفار کے ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے دے اور مجھ کو میرے آقا ﷺ کی زیارت نصیب فرما۔"

اس کے بعد فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے' جو سامنے آیا اسے مار گرایا۔ اسی طرح داد شجاعت دیتے ہوئے قلعے کے پھاٹک تک جا پہنچے۔ یہاں ہرمزان خود ان کے مقابل ہوا' وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا اور بالکل تازہ دم۔ دونوں میں بڑے زور کا مقابلہ ہوا۔ براء رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ سے ایک کاری زخم لگا اور حق کا یہ جانباز سپاہی جام شہادت پی کر عازم خلد بریں ہو گیا' لیکن اللہ عزوجل کے اس شیر کا خون رایگاں نہ گیا۔ مسلمانوں نے ان کی شہادت کے بعد فتح عظیم حاصل کی اور ایرانیوں کو پسپا ہو کر قلعے میں پناہ لینی پڑی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی قسم پوری کر دی چند دن بعد مسلمانوں نے نہ صرف تستر کو فتح کر لیا' بلکہ ہرمزان کو گرفتار کر کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی

حفاظت میں بارگاہ خلافت میں روانہ کر دیا۔ وہاں اس نے ایک حیلے سے اپنی جان بچائی اور پھر اسلام کے دامن میں پناہ لی۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا شمار جلیل القدر صحابہ علیہم الرضوان میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے تو ان کو فضلاءِ صحابہ علیہم الرضوان میں شامل کیا ہے' کیونکہ وہ برسوں فیضان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہریاب ہوئے' تاہم ان سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک مرد سپاہی تھے۔ ساری زندگی میدان جہاد میں گزار دی اور حدیث بیان کرنے کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ تمام اہل سیر ان کی بے مثل شجاعت' جرات اور بے خوفی کے معترف ہیں۔ اور اس کے ساتھ ان کے مستجاب الدعوات ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ (ختم شدہ)

حاشیہ

۱۔ یہ ابن اثیر کا بیان ہے۔ (اُسد الغابہ) حافظ ابنِ حجر نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ اُمیہ خود حضرتِ ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کا گلا گھونٹ رہا تھا کہ اس کا بھائی ابی بن خلف ادھر سے گزرا۔ اس نے اُمیہ سے کہا "اور مارو" چنانچہ اُمیہ انہیں برابر زدوکوب کرتا رہا یہاں تک کہ ان کو غش آگیا۔

۲۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے قاتل اوس بن عوف رضی اللہ عنہ نے بعد میں اسلام قبول کر لیا لیکن انہیں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت ابو ملیح اور ان کے بھتیجے حضرت قارب بن اسود علیہم الرضوان کی طرف سے انتقام کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس خدشے کا اظہار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا تو انہوں نے ان دونوں صاحبوں کو بلا کر انتقام سے روک دیا اور ان کو اوس بن عوف رضی اللہ عنہ سے گلے ملوا دیا۔

۳۔ لحیانی غداروں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مشرکینِ مکہ کے پاس فروخت کر دیا۔ انہوں نے ان دونوں کو قید کر دیا اور شہر محرم گزرنے کے بعد نہایت بے دردی کے ساتھ دونوں مظلوموں کو سولی پر چڑھا کر شہید کر ڈالا۔

۸۶ ۔
۹۲

آہ! مدنی قافلہ اب جارہا ہے لوٹ کر

یہ نظم دعوتِ اسلامی کے سنتوں کی تربیت کے لئے گھروں سے نکلنے والے مدنی قافلے کی واپسی پر سنتوں کی تڑپ ر
والے حساس اسلامی بھائی کے ولولہ انگیز جذبات کی عکاس ہے۔

آہ! مدنی قافلہ اب جا رہا ہے لوٹ کر
کوئی دِل تھامے کھڑا ہے کوئی ہے باچشم

سنتوں کی تربیت کے قافلوں کے قدرداں
جب پلٹتے ہیں گھروں کو روتے ہیں وہ پھوٹ

کسقدر خوش تھے نکل کر چل دیئے تھے گھر سے جب
لب اُداسی چھا رہی ہے ہائے! سب کے قلب

فکر تھی گھربار کی نہ فکر کاروبار کی
لطف خوب آتا تھا ہم کو مسجدوں میں بیٹھ

جاتے ہی دنیا کے جھگڑے پھر گلے پڑ جائیں گے
کیا کریں لاچار ہیں قابو نہیں حالات

باجماعت سب نمازیں اور تہجد کے مزے
اتنی آسانی سے پھر مل جائیں گے کیا جا کے گھ

یاخدا عزوجل! نکلوں میں مدنی قافلوں کے ساتھ کاش
سنتوں کی تربیت کے واسطے پھر جلد

ہائے! سارا وقت میرا غفلتوں میں کٹ گیا
آہ! کب ہوگا میسر سنتوں پھر

مدنی ماحول اور مدنی بھائیوں کی میں نے کچھ
بھی نہ کی ہے قدر ہائے! ہوں میں نادان کس ق

مسجدوں کا بھی ادب ہائے! نہ مجھ سے ہو سکا
درگزر کر دے الٰہی عزوجل بہر شہِ بحر و بر صلی اللہ علیہ وسلم

آہ! شیطان ہر گھڑی ہر وقت غالب ہی رہا
عادتِ عصیاں نے رکھدی توڑ کر ہائے!

خوب خدمت سنتوں کی ہم سدا کرتے رہیں
مدنی ماحول اے خدا عزوجل ہم سے نہ چھوٹے عمر

اس شہر کے میٹھے مدنی بھائیوں کا شکریہ
ساتھ جو دیتے رہے ہیں قافلے کا سر

سنتوں کی تربیت کے واسطے نکلا تھا میں
ہائے پر سوتا رہا غفلت کی چادر تان

ہم غریبوں کو مدینے میں بلا لو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ہو نصیب آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بھی مدینے کا

اپنی ساری نیکیاں عطار نے کیں اس کے نام
بارہ مدنی قافلوں کے ساتھ جو کرے سفر